عادل رشید



میری لائبریری

# مضرابِ الفت

اچھے لوگوں کے لئے اچھا سا
پیارا ناول

پہلی مرتبہ میری لائبریری ہی میں

قیمت : 1.75

# ہمارے غازی
# ہمارے شہید

پاکستانی قوم اور اس کی تینوں شیر دل افواج نے ہندوستان کے جنگی نیتاؤں کے برھمنی فاشزم کے ناپاک حربوں کو جس بہادری اور مردانگی سے روکا اور جن عظیم کارناموں کا مظاہرہ کیا وہ ہماری صدیوں پرانی روایات کے عین مطابق تھا۔

ہم نے ان سترہ دنوں میں خالد و طارق جیسے ان گنت جوان اپنے اندر پائے جنہوں نے دشمن کے ہر وار کا چاہے وہ خشکی پر تھا، سمندروں میں تھا، فضاؤں میں تھا یا قلم و زبان سے ظاہر ہوا مسکت جواب دیا۔

شہیدوں اور غازیوں کے حالات نیز قلم و زبان سے مظاہرۂ حق کرنے والوں کے بیانات پر مشتمل آٹھ سو صفحات کی یہ عظیم دستاویز مصنف کے خلوص و تجسس اور ناشر کے ایثار کی بڑی بھرپور اور بڑی کامیاب کوشش ہے۔

# مضرابِ الفت

"میری لائبریری"
(۱۲۴)

# میری لائبریری میں ادب و تنقید اور تاریخ و سوانح کی دوسری کتابیں

اُردو کا بہترین انشائی ادب
مرتب : ڈاکٹر وحید قریشی

جواہر ریزے ، مولانا ظفر علی خاں

غبارِ خاطر ، ابو الکلام آزاد

تذکرہ ، ابو الکلام آزاد

ادب کا تنقیدی مطالعہ ، ڈاکٹر سلام سندیلوی

تنقیدی مضامین (اصنافِ شعر) عابد علی عابد

متاعِ ادب ، اظہر زیدی

ادب اور تعصب ، اکبر امامی

ناول نگاری ، ڈاکٹر سہیل بخاری

مطالعۂ سرشار ، مرتب ڈاکٹر اعجاز نقوی

پنجابی ادب کی مختصر تاریخ ، احمد حسین قریشی

مطالعۂ ولی ، مرتب : محمد خاں اشرف

دیوانِ مصحفی ، فراق گورکھپوری ، حسرت موہانی

دیوانِ آتش ، وحید قریشی ، حسرت موہانی

دیوانِ جرأت ، حسن عسکری ، حسرت موہانی

انتخابِ غالب ، مرتب سید اختر عباس

دیوانِ غالب ، (اردو) مقدمے اور شرح کے ساتھ

روشِ نگارش ، کاظم دہوی

دیوانِ غالب (فارسی) مرتب وزیر الحسن عابدی

دیوانِ ولی ، محمد خاں اشرف ، حسرت موہانی

ارنسٹ ہیمنگوے (تنقیدی مطالعہ) سلیم الرحمان

ولیم فاکنر (تنقیدی مطالعہ) ، سلیم الرحمان

لذتِ آوارگی (دیوان) اے سی۔ اظہر

سفر دی رات (پنجابی کلام) منیر نیازی

ابوبکر صدیقِ اکبر ، محمد حسین ہیکل

عمر فاروقِ اعظم ، محمد حسین ہیکل

دس بڑے مسلمان ، محمد اسماعیل پانی پتی

الحسینؓ ، عمر ابو النصر

الزہراؓ ، عمر ابو النصر

الہارون ، عمر ابو النصر

المامون ، شبلی نعمانی

خالد سیف اللہؓ ، ابو زید شلبی

ابوذر غفاریؓ ، عبد الحمید جودۃ السحار

امام زین العابدینؓ ، عبد العزیز سید الاہل

رابعہ بصری ، وداد السکاکینی

عمر بن عبد العزیزؒ احمد زکی صفوت

امیر معاویہؓ انیس زکریا

شیخ عبد القادر جیلانی ، غلام حیدر سہیل

ایک مفسر قرآن ، چودھری محمد یوسف

سلطان محمد فاتح ، محمد مصطفےٰ صفوت

الکمال ، خورشید بخاری

عبد اللہ بن عمر ، سلام اللہ صدیقی

قلوپطرہ آرتھر ویگل

سلطانی محلوں کے راز جمال پاشا الغزی

روپ متی ، سید فیاض حسین

# مضرابِ اُلفت

(ایک ناول)

عادل رشید

مکتبۂ میری لائبریری، لاہور ۲

ناشر : بشیر احمد چودھری، ڈائریکٹر
مکتبۂ میری لائبریری، لاہور ۲

طابع : رحمانی پرنٹنگ پریس - لاہور
شروع کے چار صفحات :
انجمن حمایتِ اسلام پریس لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

اساڑھ کا مہینہ گاؤں کی زندگی میں ہلچل۔ رنگینیاں اور بہاریں بکھرا گیا تھا۔ گرمی کی تپش، لو، دھوپ اور جھکڑوں سے ہر ذی روح کو نجات مل گئی تھی۔ جنوب کی سمت سے بادل امڈ امڈ کر آ رہے تھے۔ اور گھنگھور گھٹائیں دلوں میں تازگی، توانائی۔ اور نئی امنگوں کو پروان چڑھا رہی تھیں۔

ہر طرف ہریالی ہی ہریالی دکھائی دے رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے کہ ہرے باغات کی ایک لمبی چوڑی چادر دور دور تک زمین پر بچھا دی گئی ہو کہیں کہیں تو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے گہرے ہرے رنگ کا دبیز قالین زمین پر بچھا ہوا ہو۔ فضائیں دھل کر صاف ہو گئی تھیں۔ درختوں کو قدرت کی طرف سے ایک نیا حسن عطا ہو گیا تھا۔ پتہ پتہ دھل کر نکھر گیا تھا۔ اور ڈالی ڈالی خوشی سے جھوم رہی تھی۔

درختوں پر سفید سفید بگلے اپنی اپنی گردنیں اوپر اٹھائے اس انداز سے بیٹھے تھے۔ جیسے کہ وہ ان درختوں کے سفید سفید عجیب و غریب قسم کے پھل ہوں۔ جو کہ ہواؤں کے زور سے ڈالیوں پر جھوم رہے ہوں۔

کھیتوں میں ہل چل رہے تھے۔ کسان بڑے والہانہ انداز میں ہل جوت رہے تھے اور بیل بڑے والہانہ انداز میں اپنی اپنی گردنیں مور کی طرح اٹھائے ہوئے فضاؤں کو اپنی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اور کبک کی رفتار کے ساتھ کھیتوں میں چل رہے تھے۔ کسان ہل جوت رہے تھے اور بڑی امنگوں کیساتھ گانے گا رہے تھے۔

اور لامی گاؤں کے اور دوسرے بچوں کے ساتھ کھیت میں سرخ سرخ مخمل کی

خوبصورت اور چلتی پھرتی اور کتنی سکڑی زندگیاں چلتی پھر رہی تھی۔

اس کے انگوٹھے کی پاس والی انگلی چھوئی ہی رہ جاتی وہاں معصوم زندگیوں سے مس ہوتی وہ زندگیاں یکدم سے اپنے گہرے زعفرانی رنگ کے باریک پاؤں کو سمیٹ لیں اور اس طرح دم سادھ کر پڑ جاتیں۔ جیسے کہ وہ مر گئی ہوں۔

لڑکی یکبارگی ان معصوم زندگیوں کی عیاری اور چالاکی پہ مسکرا اٹھتی اور انہیں آہستہ سے اٹھا کر اپنی اوڑھنی کے آنچل میں ڈال لیتی اور یہ معصوم ننھا سرخ مخمل جیسا کیڑا جسے کہ شمالی ہند میں بیر بہوٹی کہا جاتا ہے۔ اس کی اوڑھنی کے آنچل میں چند لمحے ساکت و جامد رہ کر پھر اپنے پاؤں کو آہستہ آہستہ نکالتا اور چلنا شروع کر دیتا۔

اس کا آنچل ان بیر بہوٹیوں سے بھرتا جا رہا تھا۔ کہ سراج جو کہ خود بھی اپنی ٹوپی میں بیر بہوٹیاں چن چن کر جمع کر رہا تھا۔ اس کے قریب آیا۔

"لالی ——!" اس نے کہا۔ "چلو اب ان بیر بہوٹیوں کو ہانڈی میں چھوڑ دیں ہنڈیا میں میں نے بہت ساری نرم مٹی ڈال دی ہے۔"

"میں نے تو تم سے زیادہ بیر بہوٹیاں چنی ہیں۔"

"پھر ——" سراج حیرت سے بولا۔ "پھر کیا ہوا۔؟"

"تم گھر چلکر یہ کہو گے کہ اس میں سے آدھی ہماری ہیں۔" سراج مسکرانے لگا۔ وہ بولا "تم بہت عقلمند ہو گئی ہو۔"

"عقلمند تو ہو ہی گئی ہوں" لالی بولی۔ آج ہی تڑکے جب میں سو کر اٹھی تو اماں کہہ رہی تھیں کہ اب میں پورے سات برس کی ہو گئی ہوں۔"

"اچھا ——!"

"ہوں ___"

"اور میں کتنے برس کا ہوں، معلوم ہے ___؟"

"میں کوئی تمہاری اماں ہوں۔" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔ "مجھے کیا معلوم کہ تم کتنے برس کے ہو ___"

"تو میں بتاؤں؟"

"بتاؤ۔"

"دس برس کا میں ہو گیا ہوں۔"

"سچ ___"

"ہاں، ہاں۔ جبھی تو اب میں درجہ دوم میں آگیا ہوں۔"

"تمہیں سو تک گنتی آتی ہے ___؟"

"سو تک کی گنتی ___" سراج لالی کی اس عدم واقفیت پر ہنس پڑا۔ "ارے پگلی اب تو مجھے دس تک کا پہاڑا بھی آتا ہے اور تم دیکھ لینا کہ میں بہت جلدی بیس تک کا پہاڑا یاد کر لوں گا۔"

سراج اکڑ گیا۔

"تم جانتی ہو پہاڑا کیا ہوتا ہے؟"

لالی نے انتہائی بھولے پن سے اپنی لاعلمی ظاہر کرنے کے لئے اپنا سر نفی میں ہلایا۔ اور اس کی لٹیں اس کے گالوں کو پیار سے چومنے لگیں۔ سراج نے اپنی قابلیت کا رعب لالی پر اور رعب جمایا۔

"اچھا بتاؤ تو بھلا۔ اگر ایک پیسہ کے چھ امرود تو دو آنے کے کتنے ملیں گے؟"

"میں امرود مول کب لیتی ہوں"، وہ بڑی معصومیت سے مذاق اڑاتے ہوئے بولی۔
"میں تو کلیوا چاچا کی امرود کی بگیا سے اتنے بہت سے امرودیوں ہی توڑ لیتی ہوں اور کلیوا چاچا۔ مجھے کچھ نہیں کہتے۔"

وہ سراج کو ٹھینگا دکھا کر اٹھلا کر بولی۔
"تمہیں کلیوا چاچا ٹھینگا امرود دے گا۔"
"اچھا بتاؤ دو تانبے میں کتنے پیسے ہوتے ہیں؟"
"ایک بھی نہیں۔ وہ دوانی ہوتی ہے۔ اس میں ایک پیسہ بھی نہیں ہوتا۔"
"بدھو ہو تم۔"
"تم بدھو ہو۔" وہ چڑ جاگئی۔ "دوانی چوکور ہوتی ہے۔ اور سفید ہوتی ہے۔ اور پیسہ گول اور تانبے کی پتیلی کے رنگ کا ہوتا ہے۔"

سراج اُس کی اس تشریح پر چپ ہو رہا اور پھر بولا۔
"اچھا بتاؤ تمہیں گنتی آتی ہے۔؟"
"ہاں" وہ فخریہ اکڑ گئی۔ "میں بیس تک گنتی ہوں اور میرا بھیا رسول کہتا ہے کہ وہ مجھے سو تک کی گنتی یاد کرا دے گا۔"
"بڑا آیا تمہارا بھیا رسول میں اس سے آگے پڑھ جاؤں گا۔ وہ مجھ سے بڑا بھی تو ہے۔"
"اچھا ہوگا۔" وہ بولی "لڑتے کاہے کو ہو۔ میں تمہاری ہنڈیا کی کھلی مٹی میں اپنی بیر بہوٹیاں چھوڑ دوں گی۔"

اور ان دونوں نے اپنی اپنی پکڑی ہوئی بیر بہوٹیاں مٹی کی ہانڈی میں ڈال دیں۔ لالی زور سے تالی بجا کر ہنسی۔

"دیکھو دیکھو بیر بہوٹیاں کیسا تھیر بھری مٹی میں سر کے بل گھسی جا رہی ہے"
اور پھر بادل یکبارگی زور سے گرجنے لگے اور پانی بڑے زور سے برسنے لگا اور وہ دونوں
بھاگ کر مہوے کے پیڑ کے نیچے آگئے۔ لالی خوش ہو کر تالیاں بجانے لگی۔
"پانی کیسا چھر چھر مہوے کے پیڑ پر گر رہا ہے۔ وہ ہمیں بھگو نہیں سکتا۔"
"پگلی — !" سراج نے پھر اپنی جانکاری کا رعب اس غریب پر جمانے کی کوشش کی۔
"پانی چھر چھر کہاں برستا ہے۔ وہ تو مہوے کے پتوں پر پانی کے گرنے سے چھر
چھر کی آواز آ رہی ہے۔"
اس نے اس کا مذاق اڑایا۔
تمہیں کچھ نہیں معلوم"
اور لالی نے اسے اپنی زبان نکال کر چڑایا۔
"ہاں، نہیں آتا۔ پھر —؟" اس نے اسے ٹھینگا دکھایا۔ اور سراج نے
اس کے سر پر ایک دھپ لگائی۔
"مجھ سے چھوٹی ہو کر مجھے چڑاتی ہے۔ چڑیل —"
وہ رونے لگی — اور غصے میں آ کر اس نے وہ مٹی کی ہانڈی جس میں کہ بھر
بھری مٹی کے اندر بیر بہوٹیاں تھیں بڑی زور سے درخت کی جڑ پر دے ماری —
ہانڈی ٹوٹ گئی۔ اس کے کئی ٹکڑے ہو گئے۔ اور بیر بہوٹیاں ادھر ادھر رینگنے
لگیں —
وہ اپنی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں مل مل کر رو رہی تھی۔ اور سراج اسے پچکار رہا تھا
اسے منا رہا تھا اور اس کی خوشامد کر رہا تھا۔ اور پانی بڑے زور سے برس رہا

تھا۔ اور وہ بڑے زور سے جھول جھول کر کے رو رہی تھی۔

لالی کا باپ شکورے قصبہ رنگپور کا ایک اوسط درجہ کا کسان تھا اور اس کی سراج کے باپ امام دین سے بہت گاڑھی چھنتی تھی۔ ان دونوں کی دوستی اتنی پکی تھی۔ کہ سارا گاؤں ان کی دوستی کی مثال دیتا تھا۔ ان دونوں کے گھر گاؤں کے مشرقی کونے پر پاس پاس تھے۔ اور وہ دونوں انتہائی پیار خلوص اور محبت کے ساتھ رہتے تھے۔

ان کی دوستی کی طرح ان کے گھروں میں بھی بڑا پیار تھا۔ امام دین کی بیوی اور شکورے کی بیوی دونوں آپس میں ایک دوسرے کو سگی بہنوں کی طرح چاہتی اور پیار کرتی تھیں اور وہ دونوں بغیر ایک دوسرے کی صلاح اور مشورے کے پانی تک نہیں پیتی تھیں۔ اور یہی حال شکورے کے بیٹے رسول کا بھی تھا۔ وہ امام دین کے بیٹے غفور پر جان چھڑکتا تھا۔ اور غفور کو بغیر رسول کے ایسا لگتا تھا جیسے کہ اس کا داہنا بازو کٹ گیا ہو۔

غرضیکہ یہ دونوں خاندان ایک دوسرے سے اس طرح شیر و شکر تھے۔ کہ پورا گاؤں ان کی دوستی پر رشک کرتا تھا اور اس کی دوستی اور محبت کا شہرہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ آس پاس کے دوسرے گاؤں میں بھی ان کی دوستی مثال کی شکل دہرائی جاتی تھی۔

اگر شکورے کا کوئی کام ہوتا تو امام دین اپنا چھوڑ کر کام۔ سب سے پہلے اپنے شکورے کا کام کرتا۔ اور یہی حال شکورے کا بھی تھا۔ وہ امام دین کے کام کو اتنی اہمیت دیتا کہ وہ جب تک اس کا کام پورا نہ کر لیتا وہ چین سے نہ بیٹھتا اسے رات کو ٹھیک سے نیند بھی اس فکر میں نہ آتی کہ ابھی اس کے دوست کا کام باقی رہ گیا ہے۔

اس دوستی اس ایثار اور اس قربانی کا جذبہ دونوں میں ایکدوسرے کیلئے ایک دوسرے سے

زیادہ بڑھ چڑھ کر موجود تھا۔ اور وہ دونوں لازوال اور انمٹ محبت کے ایسے دو مینار تھے جن پر نگاہیں ہمیشہ احترام اور تقدس کے ساتھ پڑتی تھیں۔ جیسے کہ وہ مسجد کے دو مینار ہوں۔ وہ دو مینار جنہیں دور دور سے دیکھا جا سکتا ہے اور جو جاڑا گرمی برسات خزاں اور بہار ہر موسم میں ایک ساتھ برابر اپنا سر بلند کئے کھڑے رہتے ہیں جو کہ بالکل ایک سا جیسے ہوتے ہیں اور جس میں سے کہ نہ تو کوئی چھوٹا ہوتا ہے اور نہ بڑا ہوتا ہے۔ بلکہ دونوں برابر رہتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے اونچا یا زیادہ سر بلند ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔

"یار امام دین"

اور امام دین جھٹ سے بول پڑا۔

"کا ہے سکورے بھائی۔"

"ایک بات ہے۔" تکورا مالی کے باپ نے حقہ کا ایک طویل کش لیتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں کے بیچ تو کالا اکثر بعینہ برابر ہے۔"

"وہ تو ہے بھیا۔" امام دین سراج کا باپ حقہ کا گلا تلفی پہ بٹھائے ہوئے بولا "پھر"

"پھر یہ یار۔" تکورے نے حقہ کی نے امام دین کی طرف پھیرتے ہوئے کہا۔ "کہ ہم اپنے بیٹوں کو اگر کالے اکثر اور سمینٹ میں پھر کے بتا دیں تو اچھا ہے۔"

"یہ تو تم سولہ آنہ بات کھری کہہ رہے ہو بھائی" ـــــ امام دین نے حقے کی نے کو ہونٹوں میں دباتے ہوئے کہا۔

"ہم اپنے بیٹوں کو جو دو پڑھائیں گے۔ اور پھر ہم کا پھلی بھی کہاں ہیں اسطرح پھر سے ماشاء اللہ اپنے رسول اور گفورہ دونوں پڑھ رہے ہیں۔" اس نے حقہ کا ایک کش

لیکن اور شکور بولا۔

"ہاں پڑھ تو رہے ہیں دونوں۔ پر اپن کی ایک جد ہے یار" شکور جیسے کہ بہت دور کی بات سوچتے ہوئے بولا۔

امام دین نے پوچھا۔

"کیا"

"ہمارے گفور دونوں اگر بالسٹری پاس کر لیں تو کیسا رہے" شکور نے آرزوؤں کے ہجوم میں گھر کر کہا۔

"یکدم فسٹ کلاس بھیا۔ کھیال تو برا نہیں ہے" امام دین کچھ سوچتے ہوئے بولا "پر سنا ہے کہ پڑھائی کا کھرچہ بہت ہوت ہے۔"

"اللہ بڑا بادشاہ ہے" شکور نے اللہ پہ مکمل اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"تم تو یہ بتاؤ کہ اپنا کھیال کیسا ہے؟"

"کھیال تو یکدم چوکس ہے بھیا۔"

"تو تماشا دیکھ میرے یار" شکور نے پورے اعتماد کے ساتھ بولا "میں ان دونوں لونڈوں کو تحصیلدار بنا کر چھوڑوں گا۔ نہیں تو تھانیدار تو جرور ہی بنا دوں گا۔"

"اچھا بھیا" امام دین بولا "اللہ مالک ہے۔"

اور پھر وہ اس مسئلہ کو چھوڑ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ شکور بولا۔

"اور کچھ تم سنیو بھیا۔"

"کا۔"

"لڑائی تو کھتم ہو گئی سمجھو۔"

"اچھا ——؟"

"ہاں —— وہ اٹلی ہے نا اٹلی ——"

"ہاں، ہاں، وہ مسیلنی جہاں کا بادشاہ ہے نا"

"ہاں —" شکور سے بولا "اس نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں ——"

"پھر اب ——؟"

"پھر اب لڑائی ختم سمجھو" شکور سے بولا "ہٹلر بادشاہ سمجھو کہ گئے ——"

"بیڑے مکار کے بیچے ہیں یہ سارے انگریز کھڈا انہیں گارت کرے —— بندہ مرتے ہی نہیں ناہراد ——

"میں نے تو پہلے ہی سے تم سے کہا تھا نا بھیا" امام دین کو ہٹلر نے روس سے لڑائی مول لیکر سکورت گسم کی بیو کوپھی کی ہے۔"

"ہاں بھیا" امام دین بولا "تم کہے تو رہے"

"بس وہی ہوا جس کا اپن کو کھترا تھا ——"

"تو یہ انگریز سور کی اولاد بچ گئے ——"

"ہاں ——"

"پھر ——"

"پھر کار بنجس مردن کی گلامی اور بھگتو ——"

"نہ تو ہے کہ اپنے گاندھی جی اور جواہر لال پوران سوراج سے کم پر بات کرنے سے انکار کر دئیں ہیں"

"ہاں ——" شکور سے بولا "تم نے ٹھیک سنیو ہے ——"

"اپن کا یہ ملک انگریز کی گلامی سے چھوٹ جانے کے کھاتر بھیا میں تو اللہ

رسول کی کسم اپنے پورے کھاندان کی کربانی فیتے کو تیار رہوں۔ بس یہ پھرنگی منور۔۔
یہاں سے اپنا منہ کالا کر جائیں۔۔

"امام دین یار" شکورے بولا "ہماری یہ جگ ایک نہ ایک دن جرور پوری ہوگی
اپنا یہ پیارا دیس اللہ نے چاہا تو انگریج کی گلامی سے جرور برجرور چھٹکارا پائے گا۔"

"آمین۔۔۔"

امام دین نے بڑی عقیدت کیساتھ دل سے آمین کہا اور اس کا دل اس کے پہلو
میں اس آرزو میں تڑپنے لگا کہ خدا کرے اس کا یہ ملک جلد سے جلد آزادی حاصل کرے
اور پھر وہ تشویش بھرے انداز میں بولا۔

"اپن کے جاگیردار جی رام نرائن جی تو اس کانگریس کے سکت کھلاپھ ہیں۔"

"ہاں" شکورے بولا۔ یہ راجے مہاراجے نواب اجاگیردار اور زمیندار تو انگریج کی طرفداری کریں
گے جی۔"

"کیا یہ اس دیش کے سپوت نہیں ہیں۔؟"

"یہ کپوت ہیں کپوت۔" شکورے نے آخ تھو کر کے دور تھوکا۔ "یہ تو کالے ناگ ہیں
اپنے وطن کی آزادی کے لئے۔ ان کا بس چلے تو دیس کی آزادی چاہنے والوں کا
یکدم گلا گھونٹ دیں۔"

"پر ایسا کاہے بھیا۔؟" امام دین بھرے دکھ سے بولا۔

"کیا انہیں اپنی اس دھرتی سے پیار نہیں ہے؟"

"انہیں اپنے ظلم سے پیار ہے۔ انہیں اس چیز سے پیار ہے۔ کہ وہ اسی طرح کسانوں
کا کھون چوستے رہیں۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"ان کے منہ کو خون جو لگ چکا ہے۔

اور پھر اُس نے آواز دی۔

"ارے او رسول — رسول۔

اور جب رسول آگیا۔ تو وہ بولا۔ "بیٹا۔ ذرا چلم تو بھر کر لا دے۔"

"جی۔ ابا۔"

اور وہ چلم حقہ پر سے اٹھا کر بھرنے کیلئے اندر چلا گیا —— امام دین بولا

"سراج کا پڑھنے لکھنے میں بہت دھیان ہے۔ رات کے دس بجے تک دیا جلائے پڑھتا رہتا ہے

"وہ بہت ہونہار بچہ ہے۔ شکورے بولا۔ رسول چاہے چاہے جاہتی پڑھے یا نہ پڑھے۔ لیکن سراج اپنا جرور پڑھ لے گا۔"

"مجھے اس بات کا یقین ہے۔ اور اگر رسول سے آگے نہ بھی پڑھا گیا تو بھی ہم اپنے سراج کو جرور جرور پڑھائیں گے۔ وہ تو یوں سمجھو کہ بالسٹر بن گیا۔ اگر وہ بالسٹر نہ بن جائے۔ تو تم میرے منہ پر تھوک دینا۔"

"اپنا رسول بھی پڑھے گا۔"

"نہیں بھتیا۔" شکورے بولا۔ "رسول کا دھیان پڑھنے میں کم ہے۔ وہ مڈل پاس کر لے تو بہت ہوا۔ اگر آگے پڑھے گا۔ تو ہم اسے جرور پڑھائینگے۔ نہیں تو اتنا تو پڑھ ہی لیگا کہ خط پڑھ لے۔ خط لکھ سکے اور ہمارے جیسا بالکل جاہل نہ رہے۔

"نہیں اپنا رسول بھی پڑھے گا ——" امام دین بولا

"خدا کرے وہ لکھنے پڑھنے میں دھیان دینے لگے۔"

"دیکھا جائے گا۔" شکورے بولا۔ "اگر آگے نہ بھی پڑھے گا تو مڈل کے بعد کھیتی

باڑی میں وہ صابن لگائے گا۔ تحصیل آجا سکیگا۔ اور پڑھا لکھا آدمی اگر جوتے بھی گانٹھے تو وہ بھی اچھے ہی گانٹھے گا۔"

اور پھر اتنے میں رسول اندر سے چلم بھر کے آیا۔ اُسنے چلم حقہ پر رکھدی۔ اُس نے امام دین سے کہا۔

"چاچا۔ ماں کہہ رہی ہیں کہ کھانا تیار ہے ابھی بھجوا دیتی ہوں کھا کر جائیے گا۔

"کھانا۔" وہ رک کر بولا۔ "بیٹے بھابھی سے کہنا کہ کھانا میں گھر ہی کھاؤں گا۔

"لیکن چاچا۔" رسول بولا۔ "ماں نے آج آلو کی پوریاں پکائیں ہیں۔ پوری اور شامی کباب اور آلو کا رایتہ۔"

"تو تو میں ضرور کھاؤں گا۔" امام دین یکبارگی ہنس کر بولا۔

شکور بھی مسکرایا۔

"اور تمہاری بھابھی نے کھانے کو کہلوایا کس لئے ہے۔"

"اللہ کرے میری جیسی بھابھی سب کو ملے۔"

"اور میری جیسی بھابھی نہیں۔" شکور مسکرایا۔ جس کے حلق کے نیچے میرے بغیر کوئی اچھی چیز اترتی ہی نہیں ہے۔

"مگر بھیا۔" امام دین بولا۔ "معاف کرنا۔ تمہاری بھابھی میری بھابھی نہیں ہو سکتی۔

"یہ اپنا اپنا خیال ہے۔"

"ہاں وہ تو ہے۔"

وہ دونوں ہنسنے لگے اور رسول اندر یہ کہنے کیلئے چلا گیا کہ چاچا کھانا کھائیں گے۔

سراج بڑے انہماک سے اپنی کتاب کھولے اور اپنا بستہ اپنے سامنے رکھے لالٹین کی روشنی میں پڑھ رہا تھا اور مکھیاں اور پتنگے اسے پریشان کر رہے تھے۔

ایک تو لالٹین کی روشنی میں رات کے وقت پتنگے یونہی آجاتے ہیں اور پھر برسات کی رات میں تو روشنی جلانا ہی مصیبت ہو جاتی ہے وہ پڑھ رہا تھا اور پتنگے اس کی ناک میں اس کے کانوں میں۔ اس کی آنکھوں میں۔ اسکے بالوں میں اور اس کے کپڑوں میں گھسے جا رہے تھے اور وہ بولایا جا رہا تھا۔

آخرش اسکی یہ تکلیف دیکھ کر اس کی ماں سے نہ رہا گیا اور بڑے پیار سے بولی۔ بیٹے اب رہنے دے۔ پتنگے ہوئے تجھے پڑھنے تھوڑے ہی دیں گے صبح تڑکے سے پڑھنے بیٹھ جانا،،

نہیں ماں۔ وہ پتنگوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے ہٹاتے ہوئے بولا۔

ابھی دس سوال کرنے ہیں اور پچھلا سبق بھی دہرانا ہے۔

صبح تڑکے میں تجھے جگا دوں گی

نہ ماں۔،، اس نے انکار میں گردن ہلائی اس دفعہ مجھے امتحان میں اوّل آنا ہے۔

تو آتا ہی پہلا نمبر ہے۔

اس دفعہ ایک لڑکا اور ہے وہ موضع کولیوں سے پڑھنے آتا ہے رادھے شیام اس کا نام ہے۔ ماں وہ بہت تیز ہے اتنا تیز۔ اتنا تیز کہ کیا بتاؤں ——— ماسٹر صاحب اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں کہہ رہے تھے کہ اس دفعہ رادھے شیام ہی اوّل آئے گا۔

ہاں ماں۔ اور میں اسے ہرگز اپنے سے آگے نہ آنے دوں گا چاہے میری جان چلی جائے۔

شاباش میرے پوت ماں نے اسکی پیشانی چوم لی۔ تو ضرور بڑا ہو کر ڈپٹی بنے گا۔

،، نہیں ماں میں تحصیلدار بنوں گا۔

تحصیلدار ــــ !

ہاں ہاں ہنسراج بولا۔ پھر تحصیل میں سب مجھے جھک جھک کر سلام کریں گے میں ایک دفعہ ابا کے ساتھ تحصیل گیا تھا تو وہاں میں نے تحصیلدار کو دیکھا تھا بڑی بڑی مونچھیں تھیں اسکی۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تحصیلدار کی مونچھوں کی لمبائی بتائی اور پھر وہ بولا۔ کتنی شان سے وہ اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔ جیسے راجہ ہو۔

اور پھر وہ یکبارگی بولا

اچھا ماں اب تم جاؤ مجھے پڑھنے دو نہیں تو وہ رادھے شیام کا بچہ ضرور تحصیلدار بن جائے گا اور میں رہ جاوں گا۔

اچھا ــــ !"

ہاں ہاں۔ ہاں اب تم مجھے پڑھنے دو

اور وہ جلدی جلدی پڑھنے لگا۔

ضلع کا حاکم کلکٹر ہوتا ہے۔ اور کمشنری کے حاکم کو کمشنر کہتے ہیں:"

اور ادھر رسول اپنی پلنگ پر اوندھا پڑا تھا تنکو سے نے اسے ٹوکا۔

تم پڑھ رہے نہیں رہے ہو ــــ ؟

پتنگکے پڑھنے دیں جب۔ نا ــــ

اور ادھر اس کی ماں یکدم سے بیچ میں بول پڑی۔

سچ تو کہتا ہے پڑھنے بیٹھا تھا کہ پتنگے۔ بال۔ ناک کان منہ اور کپڑوں میں گھسنے لگے۔ صبح اٹھ کر پڑھے گا میں نے خود اسے منع کر دیا۔ خدا نہ کرے کوئی زہریلا پتنگا کاٹ لے تو"

ٹھیک ہے۔۔۔ تنکو سے طنزیہ انداز میں مسکرایا۔

چیلسر کے دکھ سے کھتری اسی طرح چھوڑ ہی جاتی ہے۔
اور ادھر لالی بولی۔
دیکھئے ابا میں اپنا سبق یاد کر رہی ہوں۔
اور وہ زور زور سے پڑھنے لگی۔
لڑکی کپڑا بنتی ہے ـــ گنگا جمنا سے بڑی ہے۔
تلکورے نے بڑے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔
کاش کہ تو بیٹا ہوتی ـــ
وہ اس کا منہ چوم کر حقہ پیتے ہوئے باہر چلا گیا اور اس کے جاتے ہی رسول نے پلنگ پر سے کود کر اس کے سر پر ایک دھپ لگائی۔
باجی کہیں کی ـ میری دشمن ـ بڑی آئی ابا کی چہیتی بن کر مجھے ڈانٹ کھلوانا چاہ رہی تھی یہ ایسی ہی دشمن ہے بھائی کی سیلمن اس کی ماں نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ خبردار جواب جو تیری زبان چلی ہو۔ جیب کاٹ دوں گی۔
اس نے بیٹی کو بولا۔
بھائی کی دشمن
اور وہ سہم گئی اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔

اتوار کا دن تھا پانی ہلکا ہلکا برس رہا تھا۔ رگھو دل کے بہت سے بچے لنگوٹیاں باندھے آموں کے باغ میں بیکلیں جمع کر رہے تھے

پانی رم جھم رم جھم برس رہا تھا اماموں کے وقتوں سے سیکلیں پٹاپٹ گر رہی تھیں اور بچے دوڑ دوڑ کر لپک لپک کر سیکلیں جھپٹ رہے تھے لوٹ رہے تھے اور اپنی اپنی جھولیوں میں اور چھوٹی چھوٹی ڈبیوں میں جمع کر رہے تھے

ارے۔ ایک لڑکے نے لالی کے ہاتھ سے سیکل چھین لی

یہ میری سیکل ہے۔

لالی لبسورنے لگی

یہ تیری سیکل کیسے ہو گئی ارے واہ میں نے تو پہلے اٹھائی تھی۔

نہیں پہلے میں نے اٹھائی تھی۔

تو نے اٹھائی تھی۔ لالی نے جرح کی تو میں نے چھین لی تھی تیرے ہاتھ سے۔

بک بک کرے گی تو ابھی ماروں گا — ہاں

اور اتنے میں سراج بھوکے شیر کی طرح اس لڑکے پر جھپٹ پڑا۔

ارے واہ ابے "اتیس مار خاں" بنا پھرتا ہے لڑکی سے اکڑتا ہے ٹھیک تو کہہ رہی ہے لالی سیکل تو نے اس کے ہاتھ سے چھینی ہے اس نے تیرے ہاتھ سے نہیں چھینی

اور پھر اس نے اس لڑکے کو جو کہ عمر میں اس سے بڑا تھا ڈانٹا۔

دے دے یہ سیکل لالی کو نہیں تو

وہ لڑکا جھٹ سے بولا۔ نہیں تو تو کیا کریگا

میں یہ کروں گا۔

سراج نے اس کے گال پہ اکیلا تھپڑ لگایا اور دوسرے ہی لمحے دونوں گتھ گئے لالی سب سے زیادہ پریشان ہو کر اپنے بھائی کو جو کہ دور دور سے پیڑ کے نیچے کھڑا تھا آواز دی

نیپنے لگی۔

بیبیا۔ بیبیا۔ جلدی آؤ بیبیا۔ یہ رامو سراج سے لڑ رہا ہے۔

اور وہ سراج کی ہمدردی میں راموسے جوجھ گئی۔ وہ اس کی پیٹھ پہ مکے مار رہی تھی

سراج نے چھوٹے ہونے کے باوجود رامو کو اٹھا کر دے مارا — اور جیب تک کہ لالی کا

بھائی رسول آئے سیکل اس نے رامو کے ہاتھ سے چھین لی۔

اور پھر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا سیکل اس نے لالی کی طرف بڑھائی۔

یہ ہے اپنی سیکل۔

میں نے اگر اپنے تاجی سے کہہ دیا تیری بڑی مرمت ہوگی پھر کیا کہتا ہوا رامو

اس درخت کے پیچھے سے دوسرے درخت کے پیچھے چلا گیا اور لڑکے لڑکیاں کھلکھلا کر

ہنس پڑے لالی بڑے فخریہ انداز میں سراج کو تک رہی تھی وہ بے اختیار اپنے بھائی کی طرف دوڑی

بیبیا بیبیا۔ دیکھو سراج نے رامو کو اٹھا کر دے مارا۔ اس نے اپنی شکل دکھائی

یہ دیکھو یہ سیکل۔ رامو نے میری یہ سیکل چھین لی تھی

تبھی رامو کا سر تھوڑی دور گیا۔ رسول بگڑ کر بولا اس نے سراج سے لڑنے کی ہمت

کیسے کی اور وہ رامو کی طرف دوڑا ہی تھا کہ سراج نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا

اب جانے دو رسول بیبیا میں نے خاصی مرمت اس کی کر دی ہے۔

لیکن اس سرے لوہار کے لونڈے کی یہ ہمت کیسے پڑی کہ وہ تم سے لڑائی کرے

جانے دو بیبیا۔ سراج نے رسول کو سمجھایا کیا فائدہ منہ لگنے سے

اور پھر وہ دونوں سب سیکلوں کی طرف متوجہ ہو گئے اتنی ہی دیر میں ان کا کافی

نقصان ہو گیا تھا۔ بہت سا دیکھ بھال دوسرے بچوں نے جمع کر لی تھی۔

سوکھے میوے کا لالا تائی کے ساتھ ملا کر اوکھلی میں موسل سے کوٹا جا رہا تھا اور ان دونوں خاندانوں کے نیچے رہول۔ سراج لالی اور لالی کی چھوٹی بہن زینب اور سراج کی چھوٹی بہن فاطمہ دالان میں اوکھلی کے گرد بیٹھے تھے اور لالا کھا رہے تھے

زینب ابھی تین سال کی تھی اور فاطمہ ڈھائی سال کی آج شکورے کے گھر امام دین اور اس کے گھر والوں کی دعوت تھی پلاؤ ان پک رہی تھی شکورے لالا کوٹ رہا تھا سلیمن اور نفیسن چولہے میں گھی ہوئی پکوان پکا رہی تھیں اور امام دین دونوں کھیت ہوئے جا چکے تھے اور اس کی نفیسن نے کل ہی پہلا بچہ جنا تھا یہ نفیسں اسی گھر کا بچہ تھی۔

اور پھر وہ سب ایک ساتھ چادر بچھا کر کھانا کھانے بیٹھ گئے سب بیحد خوش تھے دونوں گھروں کی اس دوستی اور اس کے اس ملاپ پر دونوں گھر کے افراد کا چہرہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔

شکورے اور اس کی بیوی سلیمن اصرار کر کے امام دین اور اس کے گھر والوں کو کھلا رہے تھے اور وہ دونوں ان لوگوں کے کھانے پر کھلے جا رہے تھے۔

یہ میوے کا لقمہ تو اور لے نفیسن میری بہن۔ سلیمن نے نفیسن کی طرف میوے کے کئی لقمے اپنے ایک ساتھ بڑھا دیئے۔

کھا نا بہنا۔"

کھا تو رہی ہوں بہن۔ نفیسن مسکرائی۔ میں کوئی مہمان ہوں کیا۔

ارے یار۔ شکورے نے امام دین کو ٹوکا۔ یہ پوریاں کیا میں اکیلا ہی کھاؤں گا یار میرے تو تو بس میں دیکھ رہا ہوں کہ ٹونگ ہی رہا ہے۔ اتنی دیر سے۔

اور اس نے اس کے آگے ڈھیر سی پوریاں بڑھا دیں

اور یہ چیلے کون کھائے گا۔ اور یہ گلگلے — اور یہ گوجے۔

اور پھر وہ امام دین کے بچوں کی طرف متوجہ ہوا۔

اور کیوں بیٹے سراج یہ تم بیٹھے اونگھ کیوں رہے ہو۔ یہ پوریاں لو نہ ۔ اور اتو دسے یہ سہال۔ سہال تو میں جانتا ہوں کہ تمہیں بہت پسند ہے۔ اور تم فاطمہ ری تم یہ کھیر کھاؤ بیٹی"۔ وہ معصوم فاطمہ کو اپنی انگلی سے کھیر چٹانے لگا۔

یہ کھیر بڑے مزے کی ہے اور یہ چھکا تو لو تم سراج میاں یہ تو تمہاری نئی نویلی بھینس کے پہلے بیانے کی ہے ۔

"ارے — لالی بولی"

"مرغی تو کسی نے کھائی ہی نہیں"

کاکا کھائی تھا ہو گی — امام دین بولا۔ بھوجائی تو پوری برات کا پکوان پکائے بیٹھی ہے۔

اور پھر کھانے کے بعد یہ سب کے سب ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے بچے نیچے ایک طرف ہو کر کھیلنے کودنے لگے ٹنکورے اور امام دین ٹیکسی لے کر بیٹھ گئے سلیمن نے حقہ لا کر ان دونوں کے سامنے رکھ دیا۔

اگر بیچ چھکے نہ چھڑانے دیے ہی تو پھر کیسو ٹنکورے بولا۔ کھیل ما کوئی رعایت نہ ہو گی بھیا۔

اچھا یہی ہی۔ امام دین بولا" دیکھا جائی۔ اگر گوٹ پر گوٹ نہ پٹی سکور نے بھیا تو نام بدل دیو۔

اچھا تو پھر آئے جاو"

اور یہ دونوں ٹیکسی میں جٹ گئے

بھری ایک صلاح ہے بہتی۔

"کیا بہن" سلیمن نے پوچھا۔

"دیکھو انکار نہ کیو۔ یقین سراج کی ماں بولی۔ پہلے وعدہ دیو کہ تم انکار نہ کرو گے بولو"

"بتاؤ تو ـــ"

"نہیں پہلے وعدہ کرو ـــ"

"اچھا وعدہ ہے ـــ"

"مورے بیٹوا سراج کے ہمرے مانجھی کا لڑکے ہے۔

میرو کو توں پوچھے کی بات ہے۔ سلیمن لالی کی ماں" بولی" کا دا ہمرا بیٹوا نہیں نا کا"

وہ بڑے پیار سے بولی وہ" لکھن ماں ایک ہے۔ پڑھ لکھ جائی تو تحصیلدار جرور بنی۔

او کا تم بنا اپنا جوّا بنائے بیٹھو نا۔

اچھا سلیمن مسکرائی" اب ہمرے سمجھ میں آوے۔

"کا سمجھیو ـــ؟ یقین نے پوچھا۔

"تم لالی کا رشتہ مانگتی ہو نا۔

"ہاں بہن ـ یقین بولی" مور بڑی تمنا ہے کہ لالی مورے گھر کی بہو بنے"

"یہ تو ہم کب کا سوچ کے رکھا ہے ۔ لالی کے ابا کی تو یہ دل سے تمنا ہے۔

"سچ" یقین یکبارگی خوش ہو کر بولی۔

"کھاؤ تم ہمرے مونڈ کی قسم۔

"تمہارا قسم" سلیمن بولی۔ تم تو یہ سمجھو کہ ہمرے لوگ کہنے کی بات چھین لیے ہو تم۔

"تو پھر رشتہ پکا

اور اس پر سلیمن بولی۔

لالی کی بات پیدا ہونے سے پہلے ہی جگہ طے ہو گئے رہے ہیں اور وہ رہا"
نیسن کا منہ فق ہو گیا اور وہ یکبارگی گھبرا کر بات کاٹتے ہوئے بولی۔
لیکن تم ابھین ہم سے وعدہ کئے ہو بہن "
اور سیلین بولی
ہم انکار کب کرتا ہے ہم تو تم کا ایک بات بتایت ہے کہ لالی کا رشتہ ہمرے چچا
زاد بھائی شادے کے بڑوا اسلام علی سے طے ہو گوا ہے۔ شادے بھائی بمبئی کہات ہیں ریلوئی ماں
نوکری کرت ہیں انھن کر دیو رہیں ان کا بڑوا اسلام علی ہیں بمبئی ماں پڑھتا ہے۔
"پھر"
رضین کو ایسا لگا جیسے کہ وہ کسی ندت گوے میں گر ہی جا رہی ہو۔
پھر اب کا ہوئی۔
"یہ بات بہت پہلے کی ہے وہ بات پھر تو نہرے نہ جھیئے۔ ٹوٹ جائی۔
" کا ــــ"
وہ بات ـــ"
"ہمترے منہ ما گھی شکر ـــ" نیسن یکبارگی اچھل پڑی۔ جیسے کہ اسے
ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ وہ یکبارگی خوش ہو کر بولی۔
پھر لالی اور سراج کی بات پکی "؟"
پکی ہے۔ سمجھو۔ لالی کے باپو کا یہ کھیال رہے۔ اور ہیں تو سوا سولہ آنہ
راجی ہوئی۔
اور پھر وہ بولی "بیا

"ہم لالی کے باپ سے بات کرکے تھکا تھیں ہے۔"

"بات وات جانے دیو۔ یقین بولی۔ "یا کینو کہ بات پکی ہوئی گئے بیا
دیکھی لے سمجھو۔"

دیکھو پھر پھر نہ جائیو اپنی بات سے یقین بولی۔

"ہیں منت مانے رسول کل سے بڑے پیر کی نیاز ہوئی۔

"کل نیاز جانے دیو۔ سلیمن بولی "پہلے ہیں لالی کے باپ سے۔

"دیکھو بس یقین کا چہرا اتر گیا۔ "اب یا سب جانے دیو"

"پھر بھی ۔" سلیمن بولی "بات تو کرے کا پڑی۔"

اور اگر بھائی صاحب کچھ ہیں میکھ نکالن تو —"

"نا نا ۔ سلیمن مسکرائی۔ "اے ہے تم بنا طاتیر رہو۔ اوئیں مانی لیسی۔

گا ہے کہ ان تو یہ بات دل سے چاہت ہیں۔"

یقین نے اپنے دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا دیئے

یا اللہ — اپنے رسول کے صدقہ ما تم یا رشتہ کرائے دیو۔

"وسکی انکھیں نم ہوگئیں

"ہیں دس رکعت نفل شکرانہ کی پڑھی ہوں

سراج بڑا ہونہار اور ذہین لڑکا تھا اس نے اپنا مڈل امتحان اول نمبر میں پاس کیا اور ابھی وہ پندرہ سال کا تھا کہ اس نے مڈل کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کر لیا۔

رسول اس سے عمر میں تین سال بڑا تھا اور وہ سراج سے آگے بھی تھا۔ لیکن وہ اس سے پہلے مڈل پاس نہ کر سکا اس دو سال مسلسل مڈل میں فیل ہونے کے بعد اسی سال سراج کے ساتھ مڈل پاس کیا تھا اور وہ ابھی تھرڈ کلاس میں اس کا پڑھنے لکھنے میں جی نہیں لگتا تھا۔

لہٰذا اس کے باپ شکور نے اسے آگے پڑھنے سے روک دیا اور اسے خود بھی یہی رائے دی کہ اب وہ آگے نہ پڑھ کر اپنے باپ کے کاموں میں ہی اس کا ہاتھ بٹائے گا وہ آگے یونہی پڑھ سات کیا فائدہ مفت میں وقت برباد کرنے سے

اور اس کے گھر والوں نے اس کی یہ بات بخوشی مان لی البتہ سراج کے آگے پڑھنے کی بات چیت ہونے لگی

تم اب ہمارے بیٹے کو شہر بھیجو۔ شکور نے امام دین سے کہا۔

وہ تو آگے پڑھے گا ہی لیا امام دین بولا۔ لیکن میں یہ سوچ رہا ہوں کہ —

شکور نے اس کی بات کاٹی۔

رہا آگے سوچنے وچنے کی بات تم رہنے دو بھائی کوئی فکر نہ کرو ہم دونوں مل کر اپنے بیٹے کو پڑھائیں گے۔

سنا ہے کہ آگے کی پڑھائی بہت مہنگی ہے بھیا۔ امام دین قدرے گھبراتے ہوئے بولا۔ ایک تو انگریزی اسکولوں کا خرچ۔ بھی چھوٹی نہیں۔ پھر شہر میں رہنے کا خرچ۔ مہنگی مہنگی کتابیں ——— اچھے سے اچھا پہناوا —

بکو مت یار شنگو رے جیسے کہ چڑ گیا۔ "تو کیا تم خرچ کے ڈر سے اتنے ہونہار لڑکے کی زندگی برباد کر دوگے جو آگے پڑھنا چاہتا ہے اسے آگے پڑھنے سے کبھی نہ روکنا چاہیے

اب فکر نہ کیجئے ابا۔ سراج بولا میں ٹیوشن کر کے پڑھ لوں گا۔ اتنا اچھا پڑھوں گا اپنی فیس معاف کرا لونگا آپ کوئی فکر نہ کیجئے ابا لیکن مجھے آگے پڑھنے سے نہ روکئے میں ضرور پڑھوں گا۔

وہ بڑی لجاجت سے بولا،

میں پڑھنا چاہتا ہوں ابا!

اور اس پر امام دین یکبارگی تڑپ گیا وہ یکبارگی جوش کے ساتھ بولا۔

اچھی بات ہے بیٹا تم پڑھو میں تمہارے لئے اگر ضرورت پڑی تو اپنے ڈھور ڈنگر اور اپنا ہل بھی بیچ دوں گا۔ میں بھیک مانگ لوں گا۔ لیکن تمہیں اب ضرور پڑھا دوں گا۔

بھیک مانگیں تمہارے دشمن شنگو رے تڑپ کر بولا۔

میں مر گیا ہوں کہ جو کہہ رہا ہوں کہ اپنے بیٹے سراج کو میں پڑھا دوں گا کیا تم مجھے غیر سمجھتے ہو جو ایسی باتیں تم کر رہے ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارے ڈھور اور

دھرتی بک جائیں گے اور یہ دیکھنے کے لئے میں زندہ تھوڑا رہوں گا۔ ابھی جان کے رہتے میں اپنی انگلیوں کو اپنے ہاتھوں سے نکال کر باہر نہ پھینک دوں گا ۔ وہ بڑے کرب کے عالم میں بولا۔

خوب تم اپنا بیل بیچ دو گے اور میں بیچنے اور خریدنے والے دونوں کی ٹانگیں نہ توڑ ڈالوں گا۔ تم اپنی روزی اور اپنا ایمان بیچو گے اور میں چپ چاپ دیکھتا رہوں گا۔

وہ بڑے جذباتی انداز میں بولا

یہ کبھی مت بھولو امام دین ۔ میرے بھائی کہ بیل ہم کسانوں کا ایمان ہوتا ہے۔ وہ ہمارے لئے مذہب قرآن اور ہماری نمازوں کی طرح مقدس ہے ہم اس کے لئے اپنی جان دے سکتے ہیں مگر اسے کبھی نہیں چھوڑ سکتے

اس نے امام دین کی ڈھارس بندھائی

اب تو اپنا ملک بھی خدا کے فضل و کرم سے آزاد ہو گیا ہے ۔ ہم اپنے آزاد وطن کی عزت اور اس کی آن میں اپنے انہیں بیلوں اور بیلوں سے چار چاند لگائیں گے ایک بار پھر ہم دنیا کو یہ دکھا دیں گے کہ ہمارے ملک بھارت کی زمین سونا اگلتی ہیں ہمارے کھیت ہمارے لئے سونے کی کان ہیں۔

وہ جذبات میں ڈوب گیا ۔

اور اب تو ہم آزاد ہیں ہمارا دیش آزاد ہے اور ہمارے کھیت آزاد ہیں اور ہماری محنتیں آزاد ہیں اب ہماری محنتوں پر زمینداروں جاگیرداروں اور راجے نوابوں کا قبضہ نہیں ہے ہم اب اپنی محنت کے بل بوتے پر اس دھرتی کی تقدیر جگا سکتے ہیں ہم اپنے دیش کی کایا پلٹ دیں گے اتنا اناج اور اتنا غلہ ہم اگائیں گے اپنے ان کھیتوں سے کہ ساری دنیا دیکھتی کی دیکھتی رہ جائے گی انگریزوں کی لعنت سے ہمارا دیش

آزاد ہو گیا فرنگی کی منحوسیت یہاں سے دور ہو گئی ہے۔ ابھی ہمارے کھیتوں کی تقدیر بدلیگی اور ہم یہ دکھا دیں گے سارے جہاں کو کہ محنت میں کتنی برکت ہے اور انگریزوں کا سایہ کتنا منحوس تھا۔ پاس ان برکتوں کے ہے۔ آزادی ہر انہوں ہمیں کھیتی باڑی کی اور بھی سہولتیں ملیں گی۔ سراج بولا

اپنی سرکار یہ ہمارے اپنی کانگریس گورنمنٹ کسانوں کو کھیتی باڑی کرنیکی نئی نئی سہولتیں دیگی یہ ہمارے اپنے نیتا جو کہ آج حکومتوں کی بھاگ دوڑ سنبھالتے ہوئے ہمیں کھیتی باڑی کے نئے اور جدید ہتھیار عطا کریں گے یورپ۔ امریکہ اور روس کے کسانوں کی طرح کھیتی باڑی کے جدید ذریعے ہوں گے ہمارے پاس اب ہمارے کھیت ٹریکٹروں کے ذریعے جوتے جائینگے فصلوں کو بہتر سے بہتر بنانے کے طریقے ہم استعمال کر سکیں گے۔

مگر یہ سب کچھ کب ہوگا۔ امام دین بڑی حسرت کے ساتھ بولا۔ دیش کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوئے یہ تیسرا برس شروع ہو چکا ہے۔

ہر کام میں وقت لگتا ہے ابا۔ سراج بولا۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جائیگا۔

لیکن یہ کام تو سب سے پہلے ہونے کا تھا۔ امام دین بولا۔ ہمارا دیش کسانوں کا دیش ہے۔ یہاں تو یہ کام سب سے پہلے ہونا چاہئے تھا۔

ہو گا۔ منشو رے بولا۔ اپنی سرکار سے یکدم مایوس ہونیکی ضرورت بالکل نہیں۔

اچھا۔ امام دین نے اپنے بیٹے سے کہا تو تم شہر چلنے کی تیاری کرو بیٹے۔ میں تمہارے ساتھ چلونگا اور وہیں تمہارا پورا بندوبست کر کے آؤں گا تم پڑھو اللہ کرے کہ تمہاری ہر کوشش کامیاب ہو۔

اور پھر اس نے پوچھا۔

وہاں تمہارا نام کون سے درجے میں لکھا جائے گا سراج نے اسے بتایا۔

مڈل کے بعد نام تو انگریزی کے ساتویں درجے میں لکھا جاتا ہے لیکن میں
کوشش کر کے اپنا نام آٹھویں جماعت میں لکھواؤں گا میں نے مڈل کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔
"انٹرنس کتنے برس ہو گا؟"
"تین برس میں"
"اور پھر"
"پھر اس کے بعد میں الہ آباد کے کرسچن کالج میں داخلہ یوں لگا"
"اچھا بیٹے تو الہ آباد کب چلنا ہو گا۔
"اب سے پورے ایک مہینہ کے بعد اس وقت تک سکول کھل جائیں گے۔
"اچھا۔ امام دین بولا" اللہ تمہیں یہ پڑھا مبارک کرے۔
"لیکن تحصیلدار بن کر بیٹے ہمیں نہ بھول جانا
"چاچا۔ وہ یکبارگی اپنے چاچا شکورے کے قدموں سے لپٹ گیا اور
شکورے نے اسے اٹھا کر اپنے کلیجے سے لگا لیا

آج کا دن بڑا مبارک تھا آج سراج الہ آباد جانے کی تیاریاں کر رہا تھا
وہاں اسے اسلامیہ ہائی سکول میں داخلہ لینا تھا وہ الہ آباد جانے کی تیاریاں کر رہا تھا
اور لالی کا دل اس کے پہلو میں ڈوب رہا تھا وہ اس بات سے انتہا سے زیادہ پریشان
تھی مضطرب اور بے چین تھی کہ اب کو سراج کو نہ جانے کب دیکھے گی۔
وہ سراج سے انتہا سے زیادہ پیار رکھتی تھی اور بغیر اس کے اسے لمحہ بھر کیلئے

بھی چین نہیں آتا ہے۔ وہ دونوں بچپن سے ایک ساتھ رہے تھے ایک گاؤں ایک جگہ اور ایک ہی محلہ میں دونوں کے گھر ملے جلے تھے اور زندگی میں یہ پہلا حادثہ تھا کہ سراج اس سے جدا ہو کر دور جا رہا تھا

سراج الہ آباد انگریزی پڑھنے جا رہا تھا وہ اس بات سے خوش بھی تھی کہ اسکا سراج خوب پڑھے لکھے اور پڑھ لکھ کر وہ دنیا میں عزت حاصل کرے نام کمائے اور کسی بڑی جگہ نوکر ہو جائے یہ سب کچھ تھا لیکن وہ اس کی دوری کے خیال سے بات بات میں رو دیے دے رہی تھی پچھلی رات وہ رات بھر اس کی نہ ہنس سو سکی تھی کہ اسکا سراج صبح الہ آباد چلا جائیگا گاڑی سرائتھو اسٹیشن سے الہ آباد کے لئے دن کے سوا گیارہ بجے چھوٹتی ہے دور وہ ابھی سے رو رہی تھی آخر تنگ اس کی ماں نے اُسے جھڑک ہی دیا

یہ کیا لگا رکھا ہے تو نے

اور پھر دوسرے ہی لمحے اسنے اُسے بھینچ لیا

میری بیٹیا! اسنے اس کے سر پر اپنا پیار بھرا ہاتھ پھیرا۔

تجھے تو خوش ہونا چاہیے تیرا سراج تو شہر پڑھنے جا رہا ہے پڑھ لکھ کر وہ ضرور بڑا افسر بنے گا اتنا بڑا افسر کہ لوگ اُسے جھک جھک کر سلام کرینگے اور ہم سب کی مارے خوشی کے باچھیں کھل جائیں گی۔

لالی نے مسکرانے کی کوشش کی اس نے اپنی ماں کی کمر زور سے بھینچ لی

میں رو کہاں رہی ہوں ماں میں تو خوش ہو رہی ہوں یہ دیکھو غور سے دیکھو کہ میں ہنس رہی ہوں کہ نہیں۔ اور پھر وہ زور زور سے ہنسنے لگی رسول بولا۔

میری تو نظر سے چھاتی پھول اٹھی ہے۔ میرا بھائی۔ میرا دوست اتنا ہونہار ہے کہ

وہ الٰہ آباد پڑھنے جا رہا ہے۔ اللہ کرے کہ وہ ہر سال کامیاب ہو، اس کی ترقی اور کامیابی ہماری کامیابی ہے۔ پورے گاؤں کی کامیابی ہے"

"میں نے تو پوت کے پاؤں پالنے ہی میں دیکھ کر کہا تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو نہار نکلے گا۔ یہ اپنی ترقی اور کامیابی سے ہماری ہم سب کی پورے گاؤں کی آن اور عزت میں چار چاند لگا دیگا"

شکور نے بڑے فخر سے سینہ پھلا کر کہا۔

"قسم اللہ کی اس لڑکے کو میں وہاں تک پڑھاؤں گا جہاں تک کہ وہ پڑھے میں تو اسے ولایت تک بھیجونگا، چاہے میرے اور امام دین کے کھیت بک جائیں اہم فاقے کریں گے۔ مگر اسے ضرور پڑھائیں گے"

"کتنا پیار اور کتنی محبت ہے تم دونوں دوستوں میں" سلیمن بولی "اتنا پیار اتنی اپنائیت اور اتنی محبت تو سگے بھائیوں میں بھی نہیں ہوتی"

امام دین آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا

"قسم قرآن پاک کی اگر میرا سگا ماں جایا بھائی بھی ہوتا تو وہ بھی مجھ سے اور میرے بیوی بچوں سے اتنی محبت نہ کرتا جتنی محبت یہ شکورے ہم سب سے کرتا ہے دیکھو تو سہی میرے بیٹے سراج کو میں پڑھانے کی لگن اس کے دل میں مجھ سے زیادہ ہے وہ کہتا ہے کہ تم فکر نہ کرو سراج کو میں پڑھاؤں گا، چاہے میرے گھر کی ایک ایک دھجی بک جائے، بھلا ہے کوئی ایسا سچا دوست کسی کا اس زمانہ میں جو یہ کہہ سکے۔

اور وہ صرف کہہ ہی نہیں رہے بلکہ کر کے بھی دکھا رہے ہیں" سلیمن بولی

"پورا گھر اسی ادھیڑبن لگا ہے کہ سراج لاٹ صاحب بن جائے۔ کوئی اپنی سگی اولاد کیلئے بھی اتنا نہ کرتا ہوگا"

"وہ سگا ہمیں سمجھ کب نہیں رہے" امام دین کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"میں تو شکور سے بھیا اور ان کے گھر والوں کا یہ احسان قیامت تک نہ اتار سکوں گا۔"

"میں بھی محنت سے پڑھ کر دکھا دوں گا ابا" سراج بولا۔

"میں چاچا اور انکے گھر والوں اور آپ سب کی امیدوں کو مایوسیوں میں کبھی نہ بدلنے دوں گا۔ میں پڑھنے میں رات دن ایک کردونگا، سوا لکھنے پڑھنے کے اگر میرا دھیان کسی اور طرف گیا تو آپ لوگ مجھے جوتوں سے ماریئے گا۔"

"ہمیں تم پہ پورا بھروسہ ہے بیٹے" امام دین بولا "میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ خدا نے تمہیں مجھ جیسے جاہل کسان کے یہاں پیدا کر کے وہ کیا ہے جو کہ وہ شیطان کے گھر ولی کو پیدا کر کے کرتا ہے، جیسے کہ اس نے ببول کے بیج سے صندل اگا دیا ہو۔"

"یہ سچ ہے" یقیبن بولی "ہم تو جوار بو کر گیہوں کاٹ رہے ہیں۔"

"اتنی بڑائی اور اتنی تعریف کے لائق نہیں ماں" "خدا کی قسم میں ڈرتا ہوں کہ کہیں میرا دماغ خراب نہ ہو جائے۔ تعریف کے لائق میرے باپ ہیں میں نہیں" سراج نے دل سے دعا کی:

"اللہ پاک، تو مجھے توفیق دے کہ میں اپنے ماں باپ اور چاچا کے گھر والوں کی پیشن گوئی پوری کر سکوں میں ان کے خوابوں اور ان کے ارمانوں کی زندہ تعبیر بننا چاہتا ہوں۔"

اور پھر وہ بڑے جذباتی انداز میں باپ سے لپٹ گیا۔

"ابا ——!" وہ بڑبڑایا

"دعا کیجئے میں اپنے آپکو آپ سب کی خواہشوں کے مطابق بنا سکوں۔"

"تم ضرور وہ سب کچھ کر دکھاؤ گے بیٹے جو کہ ہم سب کی خواہش ہے۔"

امام دین نے اپنے بیٹے کو بھینچ لیا۔

"اللہ تجھے نظر بد سے بچائے۔"

اور پھر اسکے جانے کا وقت قریب آگیا شکورے اور اسکے سارے گھر والے بھی آ گئے۔ سراج کے بازوؤں پر سب نے اپنے طور پر امام ضامن باندھے اور جب لالی اپنا ضامن اس کے بازو پر باندھنے لگی تو وہ یکبارگی پھوٹ پڑی اور سب گھبرا گھبرا کر اسے سمجھانے لگے، ہر شخص اسے پچکار رہا تھا اور اسے چپ کرا رہا تھا، اسے تسلی دے رہا تھا اور اس کی ڈھارس بندھا رہا تھا۔ سراج بولا۔

"تم روتی کیوں ہو؟ روو مت نہیں تو میں تم سے روٹھ جاؤں گا۔"

اس نے اپنی قمیص کے دامن سے اسکی آنکھوں کے آنسو صاف کیے۔

"تم بھی خوب جی لگا کر پڑھنا مڈل کے بعد تم بھی اسکول اور پھر کالج میں پڑھوگی ہم سب تمہیں بھی پڑھائینگے۔ اور لڑکی کا اتنا پڑھ لینا سچ مچ ایک معجزہ ہوگا کہ کوئی لڑکی ایک کسان کی بیٹی اور اتنی اونچی تعلیم اور پھر ایک غریب مسلم گھرانے کی بیٹی دنیا عش عش کریگی۔"

"میں بھی دل لگا کر پڑھوں گی" لالی بولی "تم دیکھ لینا"

"تو پھر یہ رونا دھونا بند کرو" شکورے بولا "اگر سچ مچ تو نے پڑھ لیا تو میں تو جیسے آسمان پر اڑنے لگوں گا۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہیگا۔ میں قصبہ کے اس مڈل اسکول کے بعد تجھے بھی شہر کے کسی لڑکیوں کے اسکول میں داخل کرا دوں گا۔"

"میں ضرور پڑھوں گی ابا"

"تو پھر ٹسوے مت بہا" اس نے جھٹ سے اپنے آنسو پونچھ ڈالے

"میں رو کہاں رہی ہوں"

وہ ہنسنے لگی۔ وہ سب ہنسنے لگے اور پھر ہنسی خوشی سراج اپنے باپ امام دین اور چاچا شکور کیساتھ قصبہ سے سراتھوا اسٹیشن کیطرف یکہ پر بیٹھ کر روانہ ہو گیا رسول بھی اسے اسٹیشن تک چھوڑنے کے لئے ساتھ ہو لیا۔ سب کے سب ہنسی خوشی اسٹیشن جا رہے تھے

سراج کا داخلہ اسلامیہ ہائی اسکول الہ آباد میں بڑی آسانی کے ساتھ آٹھویں کلاس میں ہو گیا اور اس کے رہنے کا انتظام بھی وہیں ہوسٹل میں ہو گیا اس کا ہر انتظام ہو گیا اور امام دین اور شکور کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چھلک آئے۔

آٹھویں میں داخلہ کیلئے سراج کا انگریزی کا امتحان لیا گیا۔ اور اس نے اس ٹسٹ میں سو فیصدی مارکس حاصل کئے۔ اسکول ہیڈ ماسٹر اور دوسرے ٹیچروں نے اس کی قابلیت کو بڑی حیرت، بڑے تعجب اور بڑی خوشی کے ساتھ دیکھا۔

"تمہیں اپنا یہی معیار آگے بھی قائم رکھنا چاہیئے سراج!" اسلامیہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے اسکی پیٹھ تھپکتے ہوئے کہا۔

"تم اسکول، ملک، قوم اور اپنے ماں باپ کیلئے نیک فال ثابت ہو سکتے ہو۔"

"اللہ پاک کا کرم شامل حال رہا تو میں ہیڈ ماسٹر صاحب آپکی توقعات کو انشا اللہ کبھی مجروح نہ ہونے دوں گا"

"شاباش بیٹے رہو!"

ہیڈ ماسٹر صاحب نے سراج کی پیٹھ تھپکی انہوں نے امام دین اور شکور سے کہا "تمہارا یہ سراج بڑا ہونہار لڑکا ہے۔ بس ایسے ہونہار اور خوش بخت بیٹے پر تم دونوں

کو مبارکباد دیتا ہوں"۔

"شکریہ ہیڈ ماسٹر صاحب" شکورے بولا" آپکا غلام ہے یہ اب اسکی کامیابی آپکی مہربانی اور آپ کی محبت کی محتاج ہے"۔

"یہ آپ کا بچہ ہے ہیڈ ماسٹر صاحب" امام دین بولا" اگر یہ ترقی کر گیا تو ہم آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہ بھولیں گے۔

" اگر تم چاہو تو میں اس کی فیس معاف کر سکتا ہوں"

نہیں نہیں" شکورے یکبارگی بول پڑا" اس مہربانی کا بہت بہت شکریہ جناب۔ لیکن ہم اسکی فیس معاف کرا کے اسے سکول کے دوسرے لڑکوں کی نظر میں گرانا نہیں چاہتے۔ ہم اسکی فیس ادا کر دیں گے۔ بورڈنگ ہاؤس کا خرچ بھی ہمارے ذمہ ہوگا۔ ہم سراج اپنے بیٹے کو تن کے کپڑے بیچ کر پڑھائینگے اسے اس بات کا احساس نہ ہونے دینگے کہ یہ کسی کے رحم و کرم پر پڑھ رہا ہے"۔

ہیڈ ماسٹر کو ان بھولے بھالے سادہ لوح دیہاتیوں کے اس حوصلے اور اس کے عزم سے بڑی خوشی ہوئی اور وہ یہ سوچنے لگے کہ اس دنیا میں اس خیال کے لوگ بھی ہیں جو فیس معاف کرا کے دوسروں کی نظروں میں اپنے بچے کو سبک سار بنانا نہیں چاہتے۔ ایسے لوگ بھی ہیں دنیا میں"۔

"اچھا" ہیڈ ماسٹر مسکرائے" اب آپ لوگ کیا پئیں گے یہ بتائیے چائے یا شربت"۔

"جی بس کچھ نہیں" امام دین بڑی لجاجت سے بولا" آپکا بہت بہت شکریہ"

"اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے صاحب" شکورے بولا" آپ تو بس ہمارے سراج کو پڑھا دیجئے۔

"وہ تو پڑھے ہی گا۔ لیکن آپ لوگوں کو کچھ پینا ضرور پڑے گا"

"لیکن"

"اجی نہیں"

اور پھر انہوں نے چپراسی کو آواز دی "دلدار"

اور جب وہ اندر کمرے میں آیا تو انہوں نے اس سے کہا

"ٹرے میں چائے لیکر آؤ۔ ساتھ میں بسکٹ بھی لانا اور مٹھائی بھی اور کچھ نمکین"

"ارے صاحب"

"یہ سب کچھ میرے گھر سے آئے گا"

"بڑی زحمت کی آپ نے ہم غریبوں اور جاہل دیہاتیوں کے لئے۔"

"یہ نہ بھولیے آپ لوگ سراج کے باپ اور چچا ہیں"

ہیڈ ماسٹر صاحب مسکرائے

یہ سب سراج جیسے ہونہار طالب علم کی بدولت سمجھ لیجئے"

اور اب یہ لوگ الہ آباد کے چوک میں سراج کے لئے چیزیں خرید رہے تھے سب سے پہلے انہوں نے سراج کے لئے کورس کی نئی کتابیں خریدیں کتابیں۔ قلم پنسل کاپیاں اور ضرورت کی دوسری چیزیں۔

"اب کپڑے کی دوکان پر چلو" لنگوٹیے کا مارے خوشی کے برا حال تھا

"اب ہم اپنے بیٹے کے لئے کپڑا خریدیں گے"

"لیکن کپڑے تو میرے پاس ہیں"

"وہ سب مڈل سکول اور دیہات کے کپڑے ہیں" شکورے بولا۔ "اور اب تم شہر میں رہوگے اور انگریزی اسکول میں پڑھوگے۔ تمہارے کپڑے بھی اسی شان کے ہونگے"

اور تینوں کپڑے کی دکان پر گئے۔

"قمیضوں کا بہت اچھا کپڑا دکھاؤ" شکورے نے دوکاندار سے کہا اور دکاندار نے مسکرا شکورے کی طرف دیکھا۔

"اچھا کپڑا مہنگا ملتا ہے" دوکاندار نے چوٹ کی۔

"اچھائی ہمیشہ مہنگی پڑتی ہے" شکورے بولا "مجھے معلوم ہے"

"یہ کپڑا ساڑھے چار روپیہ گز ہے" دوکاندار نے ایک تھان آگے بڑھایا

"اور دکھاؤ" شکورے بولا "کئی قمیضوں کا چاہیئے۔

اتنا خرچ کرکے فائدہ چاچا" سراج نے احتجاج کیا "ایسا ہی ہے تو ڈیڑھ دو روپیہ گز"

"مت بکو۔ تم چپ رہو" شکورے نے سراج کی بات بڑے پیار سے کاٹ دی "تمہیں یہاں ٹھاٹھ باٹھ سے رہنا ہوگا یہ شہر ہے" اس نے دوکاندار سے کہا

"اور ہاں شیروانی کا کپڑا بھی چاہیئے اور پتلونوں کا بھی اور پاجاموں کے لئے اچھا لٹھا دکھاؤ" اور پھر وہ رک کر بولا

"بستر کی چادریں اور دری بھی ملے گی تمہارے یہاں"

دوکاندار نے شکورے کو بغور دیکھا۔

"یہاں سب چیزیں ملیں گی، تمہاری جیب میں پیسہ ہونا چاہیئے۔"

"تم یہ بار بار پیسے پیسے کی رٹ کیا لگا رہے ہو جی" شکورے چڑ گیا "کیا تمہاری دکان پر خریداری کے لئے خالی جیب آتے ہیں۔؟"

"اچھا اچھا" دکاندار جھینپ گیا "تم کپڑا دیکھو"

اور شکورے نے اسی ایک دکان سے ڈیڑھ سو کا کپڑا خرید اور چادریں لیں اور دری لی۔ اور پھر وہ جوتوں کی دکان پر آگیا۔

اس نے سراج کیلئے جوتوں کے دو جوڑے لئے، ایک چپل لی اور پھر اسنے موزے خریدے بنیان اور تولیئے لیے، تیل صابون لیا اور پھر اسنے سراج کیلئے ایک ٹرنک خریدا اور پھر اس نے اپنے جان پہچان والے ایک درزی کی دکان پر آ کر دم لیا۔

"اس ہمارے بیٹے کا ناپ لو جی" اور پھر بولا۔

"لیکن ناپ سے پہلے یہ سمجھ لو کہ ایک ہفتہ کے اندر یہ سب کپڑے سل جائیں گے۔ ایک قمیض اور پینٹ تمہیں کل صبح دینا ہے۔"

"اچھا۔! درزی مسکرایا "کیا بیٹے کی شادی کر رہے ہو شکورے بھائی"

"بیٹے کی شادی سے بڑا کام کر رہا ہوں" شکورے بولا "اسے پڑھا رہا ہوں۔"

"ارے۔! اچھا۔!" اور پھر وہ سراج کا ناپ لینے لگا۔ سراج بولا "ایسے کپڑے سینا دوست کہ بس مزا آ جائے"

"ایسے ہی لو۔" درزی بولا "لیکن سلائی بھی ایسی دینی پڑے گی شکورے میاں کہ بس مزا آ جائے"

"ایسی ہی سلائی لینا" شکورے بولا "میں نے سلائی کے دام تم سے پوچھے کب"

اور پھر ان تینوں نے ایک ہوٹل میں بیٹھ کر شام کی چائے پی اور پھر تینوں سامان سے لدے پھندے اسلامیہ ہائی اسکول کے ہوسٹل میں آ گئے ۔

"اچھا بیٹے" شکور رے بولا "اب ہم لوگ چلتے ہیں شام کی سات والی گاڑی سے ہمیں گھر جانا ہے"

"تھوڑی دیر تو اور بیٹھئے" سراج نے اپنے دل کو قابو میں کرتے ہوئے کہا "میں بھی آپ لوگوں کو چھوڑنے اسٹیشن چلوں گا"

"کاہے کو تکلیف کروگے بیٹے" شکور رے بولا "کیا ہمیں راستہ نہیں معلوم ہے"

"شکور بھائی" امام دین بولا "تم سچ مچ فرشتہ ہو" اس کا دل بھرا آ رہا تھا "اتنی محبت اور اتنی اپنایت تو اپنے سگے بھائی بھی اس زمانہ میں نہیں کرتے"

"یہ تم جب کہتے امام دین بھائی ۔ جب سراج میرا بیٹا نہ ہوتا"

اور پھر کچھ دیر اور بیٹھ کر اور سارا دن سامان کمرے میں جیتے سے سجا کر یہ تینوں اسٹیشن کے لئے روانہ ہو گئے ۔

رات کے گیارہ بج چکے تھے سراج بڑے انہماک سے میز پر جلتا لیمپ کی روشنی میں پڑھ رہا تھا ۔ اس نے یکبارگی اپنی گردن اوپر اٹھائی سامنے ہی میز پر اس کے شکور چاچا کی آج ہی کی خرید کردی ہوئی ٹائم پیس کھچ کھچ چل رہی تھی ۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی

"کتنا پیار کرتے ہیں چاچا مجھ سے

وہ بڑبڑایا۔ اور اس نے کمرے میں رکھی ہوئی ساری چیزوں کو بڑے پیار سے دیکھا وہ اس وقت بہت زیادہ متاثر دکھائی دے رہا تھا۔

"اب ابا اور چاچا گھر پہنچ گئے ہوں گے" اس نے ایک انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"گھر پر میری ہی باتیں ہو رہی ہوں گی"۔

اور پھر اسے اپنا گھر، اپنی ماں، اپنی چھوٹی بہن فاطمہ، اپنے چاچا چاچی رسول زینت اور لالی یاد آنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اب بہہ بہہ کر اس کے رخساروں کو بھگو رہے تھے۔

وہ وہاں سے اٹھا، لیمپ اس نے دھیما کیا اور اپنے بستر پر آ کر لیٹ گیا وہ بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اور اسے اپنا گاؤں یاد آ رہا تھا، اپنے گھر والے یاد آ رہے تھے، اپنی پچھلی زندگی کی ہر چیز اسے یاد آ رہی تھی اور وہ کروٹیں بدل رہا تھا اور پھر وہ اسی طرح کروٹیں بدلتے بدلتے سو گیا۔

چیت کی فصل کٹ چکی تھی۔ کھلیان آباد ہو گئے تھے اور چوپالوں کی رونقیں اب کسی حد تک کم ہو گئی تھیں۔ کہ دوسرے گاؤں سے آتے ہوئے چھٹی رسان

نے کھلیان ہی میں ٹھکورے کو دیکھ کر اسے بڑے زور کی جے رام جی کی کی
"جے رام جی کی ٹھکورے بھیا"
"جے رام جی کی" ٹھکورے نے مسکرا کر جواب دیا "کہو کیا بات ہے؟"
اور پوسٹ مین اس کے پاس آکر اسی جگہ اسکے پاس پلنگ پر ٹکتے ہوئے بولا۔
"آپکی دو چھٹیاں لایا ہوں"
"لاؤ بھیا" ٹھکورے نے اپنا داہنا ہاتھ بڑھا دیا۔
"لیکن یہ دوسری چھٹی کس کی ہے!"
پوسٹ مین اپنے بیگ میں سے خط نکالنے لگا۔ ٹھکورے بولا۔
"ایک چھٹی تو میرے بیٹے سراج کی ہوگی اور یہ دوسری چھٹی -!
کہ اتنے ہی پوسٹ مین نے دو لفافے نکال کر اس کے ہاتھ میں دیدیئے
"ایک لفافہ تو الہ آباد سے آیا ہے"
"ہیں یہ تو سراج کا ہے۔ وہ ہمیشہ مجھے، اپنے چاچا کو اور اپنے باپ، کو ایک ساتھ خط لکھتا ہے خط ہم دونوں کے نام ہوتے ہیں۔ لیکن لفافہ پر وہ نام ہمیشہ میرا ہی لکھتا ہے اور یہ اسی کا سب سے بڑا خیال اور اس کا پیار ہے میرے لئے۔
یہ دوسرا لفافہ بمبئی سے آیا ہے
"بمبئی سے!" ٹھکورے حیرت سے بولا "وہاں کون ہے میرا" پھر خود ہی بول پڑا
"کوئی بات نہیں۔ تم جاؤ بھیا قصبہ میں ڈاک بانٹ آؤ۔ میں یہ دونوں خط اپنے رسول سے پڑھوا لوں گا۔ وہ اور امام دین دونوں گھر کھانا کھانے گئے ہیں بس آتے ہوں گے"

"اچھا بھئی۔ سلام "

پوسٹ مین اپنا تھیلا سنبھال کر اٹھتے ہوئے بولا۔ "سلام"

شنکورے نے جواب دیا اور وہ یہ سوچنے لگا کہ یہ دوسرا خط بمبئی سے بھی

کس نے لکھا ہے کہ اتنے میں اس کا بیٹا رسول آگیا اور اسے دیکھتے ہی شنکر بولا۔

ذرا بیٹا دیکھنا تو تو یہ خط مجھے بمبئی سے کس نے بھیجا ہے؟"

"بمبئی سے آیا ہے خط "

اور یہ کہکر رسول نے لفافہ کھولا۔ وہ خط پر ایک نظر ڈالتے ہوئے بولا۔

ستار چاچا کا خط ہے ابا۔ وہ اب ریلوے سے ریٹائر ہو چکے ہیں اور

فنڈ لیکر اپنے قصبہ میں آرہے ہیں۔ اب انکا مستقل خیال یہیں رہنے کا ہے لکھا

ہے کہ گھسو کو کہہ دینا کہ اب انکا مکان چھوڑ دے۔ وہ ہفتہ بھر بعد یہاں آجائینگے

"اچھا۔ !" شنکورے بولا" بڑی جلدی میرے یار کو خیال آیا میرا بھی تو

مجھے خیال نہیں آرہا تھا کہ بمبئی سے مجھے خط لکھنے والا کون ہے" وہ بولا۔

"پورے سولہ برس کے بعد آج یہ پہلا خط اس نے مجھے لکھا ہے ویسے

اس کے خط گھسو اپنے چچازاد بھائی کے پاس اکثر آتے رہتے تھے۔

رسول اب دوسرا خط پڑھ رہا تھا۔

"یہ خط پڑھ بیٹے۔ جلدی پڑھ کر سنا ہمارے سراج نے کیا لکھا ہے۔"

لکھا ہے کہ آج کل میں پڑھائی میں بہت مصروف ہوں سالانہ امتحان بس

شروع ہی ہونے والا ہے۔ اسلامیہ ہائی سکول کا یہ میرا آخری سال ہے انشا اللہ بھی

انشا اللہ میں آپ لوگوں کی دعا سے اول نمبر پاس کرونگا خط اسلئے جلد لکھ سکا اب کوستا سلا لکھا ہے

"اپنی بٹیا لالی بھی اللہ نے چاہا تو اس سال مڈل پاس کر لیگی" شکر یئے کچھ سوچتے ہوئے بولا - ماشا اللہ وہ بھی اب سولہ برس کی ہو چکی ہے"

اور پھر اس نے پوچھا —

"امام دین نہیں آیا —؟"

"وہ کہہ رہے تھے کہ وہ تھوڑی دیر سے آئینگے" رسول بولا" سر میں انکے کچھ درد ہو رہا تھا"

"تو یہ خط لے جا کر امام دین بھیا کو دے آ بیٹا. بلکہ پڑھ کر سنا بھی دینا اُسکے نام کا خط بھی پڑھ کر سنا دینا اور میرے نام والا بھی"

"جی ابا —" رسول وہ لفافے لے کر اٹھا

"اور ہاں اس سے کہہ دینا کہ اگر سر میں درد ہے تو نہ آئے بے شک. میں اس کا کھلیان سنبھال لوں گا -

اور جب وہ جانے لگا تو اسے آواز دیکر کہا -

"خط سنا کر تم الٹے پاؤں واپس آ جانا بیٹا. مڑائی چل رہی ہے"

"جی ابا —!"

رسول تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا چلا گیا. اور شکورے سوچنے لگا -

"دو سال بعد وہ اپنی بیٹی کی شادی ضرور کردے گا. کیا ہوا اگر اسوقت تک سراج بی اے پاس نہ کر سکے گا. شادی کے بعد بھی تو وہ پڑھ سکتا ہے

اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا

"میں اپنی بیٹی لالی کو مڈل کے بعد بس اب نہ پڑھاؤں گا، جوان لڑکی کا شہر میں اکیلے رہ کر پڑھنا ٹھیک نہیں، زمانہ بہت برا لگا ہے. خدا نہ کرے اگر

وہ لرز گیا۔

پرسوں ہی کا بید اس نے اسے اخبار سے ایک خبر پڑھ کر سنائی تھی۔ اسی الہ آباد کے گرلس اسکول کی ایک لڑکی کو غنڈے جب کہ وہ اسکول جا رہی تھی اپکر بھاگ گئے تھے:

"توبہ — توبہ" وہ غیر ارادی طور پر توبہ کرنے لگا۔

"برا وقت کس نے دیکھا ہے۔ میں لالی کو پڑھنے کیلئے شہر ہرگز نہ بھیجوں گا:"

"میں شہر ہرگز نہ جاؤں گی" لالی نے اپنے کان پکڑے۔

"اللہ توبہ۔ میں باز آئی ایسے پڑھنے سے غضب خدا کا۔ خدا کی مار اس بدمعاش پر دن دھاڑے بیچ سڑک پر لڑکی کی عزت لوٹ لی:"

"ہاں لالی" کملا بڑی افسردگی سے بولی "میرے چاچاجی کے سالے نے تو اپنی لڑکی کی اس بربریت پر آتم ہتھیا کر لی" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"بیچاری لیلا! بڑی اچھی لڑکی تھی۔ میں لکھنؤ اس سے مل بھی آئی ہوں۔ ایک سال ہوا کہ ہم لوگ لکھنؤ گئے تھے۔ اسوقت وہ ہائی سکول میں امتحان دینے جا رہی تھی"

"خدا غارت کرے ان غنڈوں کو" لالی کی آنکھ سے ایک آنسو گر کر اس کے دامن میں جذب ہو گیا۔

"کیا ان درندوں کی نظر میں لڑکی کی عزت کھلونا ہے:"

اس کی آنکھیں دوبارہ ڈبڈبا آئیں۔ وہ گلوگیر آواز میں بولی

"پھر اس لڑکی کا کیا ہوا؟"

"مارے رنج اور شرم کے اس نے اپنے کپڑوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگالی۔"

"کیا کرتی غریب"۔ لالی بولی "عزت چیز ہی ایسی ہے۔"

شہروں میں ہمیشہ ایسا ہوتا ہے" کملا بولی "جبھی تو میرے پتا جی نے مجھے آگے پڑھنے سے روک دیا ہے۔"

"میں بھی اب اور نہ پڑھونگی" وہ بولی اور پھر اس نے یکبارگی پوچھا کیا نام اس بدمعاش کا۔"

"کشور ـــ" کملا نے بتایا "وہ کمینہ بھی اسی کالج میں پڑھتا تھا۔

اور اگر کوئی اسکی بہن کے ساتھ ایسی ہی حرکت کرے تو ـــ؟ لالی بولی تب پتہ چلے اسے ـ حرامزادہ کمینہ ـ بدمعاش ـ جہنمی ـ

امتحانات ختم ہو چکے تھے۔ اور لالی بڑی بے چینی کے ساتھ سراج کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ سراج سے بے تحاشا محبت کرتی تھی۔ اتنی محبت کہ اسے خود بھی کبھی کبھی اپنی اس محبت پر اچنبھا ہوتا تھا وہ سوچتی کہ آخر یہ اسے ہو کیا گیا ہے اسکے دل میں رہ رہ کر ایک قسم کی ہوک اٹھتی ہے کیوں اسکا دل بے اختیار تڑپتا ہے۔ سراج کے لئے۔ وہ سراج کو اپنے خوابوں میں کیوں دیکھتی ہے اور کیوں وہ سراج کو ایک پل کیلئے بھی نہیں بھول سکتی ـ کیوں۔ آخر یہ ـ کوئی وجہ؟"

اور اس کوئی وجہ کا جواب اس کے پاس خود نہیں تھا وہ پہلے بھی سراج کے لیے بے چین رہا کرتی تھی۔ لیکن اسے پہلے والی بے چینی اور اس بے چینی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

اور یہ فرق کس قسم کا تھا اس کا صحیح جواب خود اس کے پاس بھی نہیں تھا۔ وہ خود بھی اس فرق کو اچھی طرح نہیں سمجھا سکتی تھی۔

اب اس کی حالت کچھ عجیب سی ہو گئی تھی۔ پہلے بھی وہ باجا سنتی تھی باجا اس کے لئے کوئی عجوبہ چیز نہیں تھی وہ بچپن سے باجے سنتی آئی تھی لیکن جب کے باجے اور اب کے باجے میں زمین و آسمان کا فرق تھا پہلے وہ باجا سنکر خوش ہوتی تھی اور خوشی میں تالیاں بجانے لگتی تھی۔ یہ جب کی بات تھی جبکہ وہ ایک چھوٹی سی معلوم بچی تھی۔ اور پھر وہ اور بڑی ہو گئی اتنی بڑی کہ وہ باجا سنکر تالی نہیں بجاتی تھی۔ بس خالی سنتی رہتی تھی۔

اور اب۔ اور اب یہ ہوتا ہے کہ جہاں باجے کی آواز اسکے کانوں میں پڑی اور اسکا دل نہ معلوم کس طرح کس انداز میں اسکے سینے میں زور زور سے دھڑکنے لگا۔ بین کی آواز اس کے کان میں اور اسکی آنکھوں سے غیر ارادی طور پر بغیر کسی وجہ اور بغیر کسی مقصد کے آنسو رواں ہو گئے اور اسے ایسا لگنے لگا جیسے کہ اسکا دم گھٹ جائے گا

رات کا وقت ہے اور وہ بے خبر پڑی سو رہی ہے کہ وہ یکبارگی بانسری کی آواز پر جاگ گئی۔ دور۔ کسی کھیت میں کسی چوپال میں یا کسی منچے پر کوئی بانسری بجا رہا ہے اور یہاں اسکی حالت غیر ہوئی جا رہی ہے اسکی آنکھ کھل گئی ہے اور وہ یہ محسوس کر کے دیوانی ہو گئی ہے کہ اسکے گال تر ہیں وہ نجانے کب سے رو بھی رہی تھی۔ اور کیجل بہہ رہی تھی

نہ جانے ادم مخوس آنسو ڈھلکا مند کہاں سے اسکے دل میں سما گیا تھا کہ بات

بات پر امنڈنے لگتا ہے۔ اس کے دل میں میٹھا میٹھا درد رہنے لگا تھا ایک ایسا درد، ایک ایسی کیفیت جو کہ بیک وقت قدرت رساں طلبی اور تکلیف دہ بھی، اسکی آنکھوں کے دو ڈورے اب ہر وقت سرخ رہنے لگے تھے جیسے کہ اس نے دو پیگ وہسکی کے پی رکھے ہوں، اس کے سینے کا تموج تیز ہو گیا تھا اور اسکی سانسوں میں ایک عجیب و غریب قسم کی خوشبو شامل ہو گئی تھی۔

ایک انجانی قسم کی خواہش اسے ہر وقت پریشان کئے رہتی تھی وہ دو زرات اب اس تمنا میں تڑپتی رہتی تھی کہ کاش اسکا اپنا سراج اب ہر وقت اسکے دل میں اور اسکی آنکھوں کے قریب رہے۔ یہ دل کی نزدیکی اور آنکھوں سے دوری اب اسکے برداشت سے باہر کی بات بن چکی تھی اسکا دل اب ہر وقت اور ہر لمحہ سراج سراج پکارنے لگا تھا، حالانکہ سراج سے کبھی اس کی اس قسم کی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی۔ سچ ہے کہ اس قسم کی خواہشات کو پروان چڑھنے کا موقعہ ملے۔ لیکن یہ ارمان جو کہ انجانے میں اسکے دل میں مچل رہے تھے اور یہ جوانی تھی جو کہ اس کے بالکل ایک انجھا تھا اسکے دماغ میں پھٹ رہا تھا۔

وہ ہمہ دل و دماغ سراج کی آمد کا انتظار کر رہی تھی کہ ایک دن اسکا سراج مجسم بہار بن کر اس دنیا میں آ گیا۔

اور ایسا محسوس ہوا جیسے کہ سارا عالم، ساری کائنات اور پورا ماحول رنگوں اور نغموں اور خوشبوؤں کے ہجوم میں ڈوب گیا ہو۔ اسے اپنے گرد و پیش کا ذرہ ذرہ رنگین دکھائی دے رہا تھا۔ اور وہ اپنے خیالوں میں مسرتوں کی پائل باندھے ناچ رہی تھی اور اسے ایسا لگ رہا تھا کہ یہ پوری کائنات اسکے ساتھ ملکر ناچ رہی ہے اسکے کانوں میں کیف و سرور کے گھنگرو بج رہے تھے کہ یکایک زندگی دو اسکے سامنے آ گیا۔

وہ ایک پاگل ہرنی کی طرح بے تحاشا اسکی طرف لپکی، جیسے کہ ایک بچہ بے اختیار اپنی ماں کو دیکھ کر اسکی گود میں سمٹ جانے کیلئے دوڑتا ہے۔ لیکن پھر وہ اسکے قریب آ کر ٹھٹھک گئی۔ اسکی اوپر اٹھتی ہوئی نظریں خود بخود غیر ارادی طور پر زمین میں گڑ گئیں اور اسکا دل اسکے پہلو میں اتنی زور سے دھڑکا کہ اپنے دل کی اس دھڑکن پر پسینے میں ڈوب گئی۔ اور اس کے سینے پر پڑا ہوا دوپٹہ بڑی زور زور سے تھر تھرانے لگا۔ آخرش اس نے بڑی مشکلوں کے بعد اپنے آپکو سنبھالا۔ اسکی نظریں ایک ذرا سا اٹھکے ٹھٹکتے اوپر اٹھیں اور پھر وہ ادھر ادھر نظریں چراتے ہوئے بولی "آ گئے تم!"

(اور وہ جو کہ اسکی اس حالت کو محسوس کر کے لطف لینے لگا تھا بولا "ہاں آ گیا ہوں" اور پھر اس کے آگے وہ دونوں کوششوں کے باوجود ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہ نکال سکے

آج کی رات لالی کے غموں کی رات نہیں تھی بلکہ آج رات وہ بیحد خوش تھی، اتنی خوش کہ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ اسے از سر نو اسکے دل نے نئی زندگی عطا کر دی ہو۔ وہ بیحد رنگین تھی، بیحد مسرور اسکے جسم کا رواں رواں ناچ رہا تھا کہ اسکے گھر اسکی ڈھیر بھر سہیلیاں آ کر جمع ہو گئیں۔ اور آج خلاف معمول وہ ان سب کو دیکھکر اور زیادہ رنگین ہو گئی

"آج تو بہت خوش ہو میری جان"، زبیدہ نے اسے بڑی زور سے بھینچتے ہوئے کہا، "بات کیا ہے"

"ارے واہ" کلثوم چہکی "تجھے خبر نہیں کیا کہ اسکے من کا میت جو آ گیا ہے"

"من کا میت"۔ کئی لڑکیاں یکبارگی چیخیں۔

"ہاں، ہاں —" معصومہ اٹھلاتے ہوئے بولی۔ "وہ اسکا جگری آگیا ہے نا۔"

"جگری کا — !"

"ہاں، ہاں بھئی — وہ اسکا یار — وہ ہے نا — وہ —"

"سراج بھئی" دوسری نے گویا کانا پھوسی والے انداز میں لالی کے یار کے نام کو سب کو آگاہ کیا۔ اور پھر وہ تمام لڑکیاں سراج سراج کہہ کر لالی کو چھیڑنے لگیں

"یہ کیا بکواس ہے؟" لالی مصنوعی غصہ دکھاتے ہوئے بولی۔ "دیکھو میں کہے دیتی ہوں ہاں۔"

"کیا کہے دیتی ہو، یہی نا کہ تم اس کے ساتھ اڑن چھو ہو جاؤ گی۔"

"نہیں، ابھی" دوسری بولی "یہ اڑن چھو کہاں ہو جائے گی، گھر سے گھر تو ملا ہوا ہے یہ کہو کہ یہ اپنے سراج کی باہوں میں اپنا منہ چھپا کر ہم سب کو بھول جائیگی اور پھر ہم اسکے ساتھ دھوپ چھاؤں کا کھیل اور اسکے چچولی کھیلنے کو ترس جائیں گے"

"بیچاری ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرا کرتی تھی۔ اب وہ آگیا ہے تو آہوں کی ٹھنڈک میں گرمی آگئی ہے ذرا۔"

"اور تم لوگوں نے یہ بات نوٹ نہیں کی"

"کیا؟" صغرا کے یہ کہنے پر کئی لڑکیاں اسکے سر سے سر جوڑ کر بیٹھ گئیں

"کیا بات، کیا بات"

"اپنے انکو دیکھ کر اسکی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈوروں کا جال سا بچھ گیا ہے"

"ہاں، ہاں، ٹھیک، ٹھیک —" کئی لڑکیوں نے لالی کو پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا

"ہمیں اپنی آنکھوں کے وہ سرخ سرخ جال دکھانا ذرا بہنا۔"

وہ گردن جھکائے رہی تھی اور یہ شریر لڑکیاں اسکی ٹھوڑی پکڑ پکڑ کر اسکا سر اوپر

سری کھنیں اور چھپر کی لڑکیوں نے ملکر اس کی گردن اسکی پیٹھ کیطرف اتنی زور سے کھینچی کہ اسکا گلا دکھنے لگا اور وہ سب اسکی آنکھیں پھیر پھیر کر اس کی آنکھوں کے سرخ سرخ ڈوروں کا جال دیکھ رہی تھی۔

"خدا کیلئے" وہ بڑی زور سے اپنی گھٹی ہوئی آواز میں چیخی "میں مر جاؤں گی۔"

اور پھر ان شریر لڑکیوں نے اسے چھوڑا۔ وہ بری طرح ہانپ رہی تھی

"چڑیلو —!" اس نے مصنوعی غصہ سے ان سب کو دیکھا، میرا جبڑا نکال دیا تم لوگوں نے"

"ابھی سے مشق بری چیز نہیں ہے" لتا مسکرائی "پریکٹس اچھی چیز ہے آگے چل کر ہم لوگوں کو دعا دو گی۔ کوئی بھی پیچ جھیلنے کیلئے پریکٹس اشد ضروری ہے۔"

"بکو مت جی" لالی نے لتا کی پیٹھ پر دو تھپڑ جمائے"

اور قہقہوں کے انار چھوٹنے لگے۔ کھی، کھی، کھی، کھو، کھو کی پھلجھڑیاں ہر طرف سے پھول برسانے لگیں۔

"اچھا بھئی بکواس ختم" کلثوم نے فیصلہ سنا دیا" وقت نہ برباد کر کے اب ہم لوگ اندھیر بھینسے کا کھیل کھیلیں گے"

"ہاں۔ ہاں۔ ٹھیک ٹھیک" ہر طرف سے آوازیں آئیں

اور اندھیر بھینسے کا کھیل شروع ہو گیا

لائی چور تھی، اسکی آنکھوں پر اسی کا دوپٹہ بندھا ہوا تھا وہ اپنے دونوں ہاتھ آگے پھیلائے آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی کہ نفن ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھتی ہوئی اپنے

مکان کے صحن سے گزر کر دہلیز میں آ گئی، یہاں اندھیرا تھا اور ادھر سے سراج آ رہا تھا
وہ اندھیرے میں سراج سے ٹکرا گئی۔ وہ سمجھی کہ اس نے اپنی کسی سہیلی کو پکڑ لیا
ہے اس نے بڑے جوش میں آ کر اسے دبوچا۔ اس اندھیرے میں سراج بھی بوکھلا گیا مگر
گھبراتے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور ایک ایسا انوکھا حادثہ ہو گیا جسے کہ نہ وہ چاہ رہے تھا
گھبراہٹ میں، بوکھلا کر لالی بڑی شدت کے ساتھ سراج سے ٹکرا گئی
اور اسی لمحے اس نے اپنی آنکھوں پر سے دوپٹہ ہٹایا۔
اور اب وہ اپنی شرماتی لجاتی نظروں سے سراج کو تک رہی تھی
"بڑا حسین حادثہ"
سراج نے اپنی بیتاب نگاہوں سے لالی کو دیکھتے ہوئے کہا اور قبل
اسکے لالی اسکے پاس سے ایک جنگلی ہرنی کی طرح سے قلانچ بھر کر نکل جائے
اس نے اچانک پکڑ کر اپنے سینے سے لگا لیا اس نے اسکی پیشانی چوم لی۔
اسی لمحے باہر سے کسی کے آنے کی آہٹ ہوئی اور لالی اسکی گرفت سے
آزاد ہو کر دہلیز سے نکل کر دوبارہ واپس صحن میں اس طرح آ گئی جیسے کہ ایک
برق تھی جو کہ کوند کر دور جا گری ہو جیسے کہ بیٹر کسی کے ہاتھ سے نکل گیا ہو
کہ گیند کیچ پکڑتے ہوئے ہوتے ہاتھ سے نکل گیا ہو۔
وہ صحن میں پہنچ چکی تھی اور اپنی سہیلیوں میں گھبرائی ہوئی اپنے دل کی دھڑکنیں
گن رہی تھی اور وہ دہلیز سے گذر کر سامنے والے دالان میں اپنی چچی سلمیٰ کے پاس پہنچ چکا تھا
"کیا بات ہے بیٹا، میرے پوت" سلمیٰ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے اس سے
کہا، کیا ہوا؟ یہ تمہارا ماتھا کیسا بھیگ رہا ہے یہ تم پریشان دکھائی دے رہے ہو۔

دہلیز سراج بھیا لالی آپا سے ٹکرا گئے ہوں گے چوٹ لگ گئی ہوگی
انکے وہ آنکھوں پر دوپٹہ باندھے چور پکڑنے اسی طرف جا رہی تھیں
وہ بھی بدحواسی میں دہلیز سے بھاگ کر ابھی ابھی صحن میں آئی ہیں:

لالی کی چھوٹی بہن زینت نے زور سے تالی بجائی "ہا ہا بڑا مزا آیا ہوگا".

اور زینت کے منہ سے یہ سنکر سراج کو ایسا لگا جیسے کہ زینت نے چور پکڑ لیا ہو وہ یکبارگی بوکھلا کر بولا: "نہیں یہ بات نہیں چچی جان وہ دراصل ہوا یہ کہ میں دہلیز رکھے ہوئے ملی سے ٹکرا گیا اور پھر جو میں نے سنبھلنے کی کوشش کی تو رسی میں پاؤں الجھ گیا۔ اور میں اوندھے منہ گرتے گرتے بچا

"ارے ارے" سلیمن گھبرا گئی "کہیں زیادہ چوٹ تو نہیں لگی۔

وہ آگے بڑھکر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ گھبرا کر بولا

"نہیں چچی — چوٹ نہیں لگی" سلیمن بڑبڑائی"

"تین دفعہ کہا ہے کہ دہلیز میں لالٹین ٹانگ دیا کریں مگر سنیں جب نا

"میرے بیٹے کو چوٹ لگ گئی۔

"مگر یہ چوٹ بڑی سیدھی تھی" کلثوم مسکرا رہی تھی "بڑا مزا آیا ہوگا نوکہ

"چل ہٹ مردار" لالی نے اسے ایک دھکا دیا۔ یہاں جان نکلنے نہ نکلنے پر بنی ہے اور تجھے اٹکھیلیاں سوجھ رہی ہیں

"جان نکلتے نکلتے بچی ہے یا ارمان پورے ہوتے ہوتے رہ گئے" تمیں بیلا نے چھیڑا

بڑا مزا آیا ہوگا تجھے تو اس ٹکر میں "
خسرت کتنی اچھی ہے اس کی، ایک دوسری لڑکی نے چچارہ بیلتے ہوئے
کہا، پی سے شکر ہوئی ہے۔ ہائے ہائے کیسا مزا آیا ہوگا اسے "
"تو تیری رال کیوں ٹپکی پڑ رہی ہے" اس نے اس لڑکی کی زور سے چٹکی لی۔
"تو بھی جا کر ٹکرا جانا کسی سے "
"کسی سے کاہے کو" وہ چٹکی کی تکلیف پر ایک ہلکی سی "سی" کرتے ہوئے بولی
"ٹکرانا ہے تو میں بھی اپنے انہیں سے ٹکرا جاؤں گی جا کر وہ بھی بس آنے والے ہیں"
"تو یہ بات ہے" کلثوم مسکرائی اور اس نے اسکی پیٹھ پر ایک گھونسہ لگایا
تو نے بھی کسی کو پھانس رکھا ہے
"نہیں بھئی" وہ بولی "میں نے پھانسا وانسا نہیں۔ قسم لے لو وہ الّو خود ہی آ پھنسا
پھنسا گیا آ کر" اور اس پر سب لڑکیاں ہنسنے لگیں۔
"کون ہے وہ" زبیدہ نے مزہ لیتے ہوئے پوچھا
"بتا دو نا کسم" کلثوم نے کہا "دیکھو نا بیچاری زبیدہ کے منہ میں پانی آرہا ہے"
"اور اگر اس نے میرا شکار کہیں پھانس لیا تو"
"تو کیا" نائی بولی "تم دوسرا پھانس لینا"
"اچھا تو سن زبیدہ" کسم مسکرائی "میرے شکار کا نام ہے لالہ بھولے ناتھ"
"بھولے ناتھ" کئی لڑکیاں دھاڑیں "تب تو وہ بھولے ناتھ
جلدی ہی جال میں آ جائیں گے "

"ہاں بھولا جو ہوا بیچارہ" ایک آواز آئی "زبیدہ کو آسانی ہو گی بچانے میں"

"اچھا — اچھا" زبیدہ جھینپ گئی "بکواس بند کرو۔"

وہ سمجھ گئی — شاید" ایک بولی "جبھی تو انگور کھٹے ہیں کا نعرہ ابھی سے لگا رہی ہے"

اور اس پر لڑکیاں ہنسنے لگی۔

"اچھا — اچھا ہنسی بند کرو" کلثوم نے سب کو ہنسنے سے منع کیا۔

"اب ہم سب دھوپ چھاؤں کا کھیل کھیلیں گے"

"ہاں — ہاں" لڑکیاں زور زور سے تالیاں بجانے لگیں۔

"یہ لڑکیاں اتنی بہت کہاں سے آگئیں؟" سراج نے پوچھا۔

"سب ہی گاؤں کی ہیں" سلیمہ بولی "ہم عمر لڑکیاں جب اکٹھی ہوتی ہیں تو اسی طرح اودھم مچاتی ہیں"

"لیکن یہ سب ہنس کس بات پر رہی ہیں"

"آپ فکر نہ کیجئے بھیا صاحب" زینت بولی "وہ سب آپ پر نہیں ہنس رہی ہیں"

"بہت شریر ہو گئی ہے تو" سراج نے زینت کا کان پکڑ لیا "یہ کھنا اکھاڑ کر تیرے ہاتھ پر رکھ دونگا"

"ہر بڑا بھائی چھوٹی بہن کے ساتھ یہی کرتا ہے" زینت اپنا کان چھڑاتے ہوئے بولی "جب وہ کھیا جاتا ہے جب"

سراج نے زینت کا کان چھوڑ دیا، ادھر دھوپ چھاؤں کا کھیل بڑی زوروں پر شروع ہو چکا ہے اور کان پڑی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

رات کے ڈیڑھ بجے تھے اور امام دین اور نصیبن میں آہستہ آہستہ باتیں ہو رہی تھیں
"ٹھکورے بھیا کے احسانات اتنے ہیں ہم پر کہ میں اپنا سر نہیں اٹھا سکتا۔"

"یہ بات تو سچ ہے" نصیبن نے تائید کی "آج کل تو سگے بھی وہ نہیں کرتے جو کہ وہ لوگ ہمارے ساتھ کر رہے ہیں۔"

"میں نہیں چاہتا کہ سراج کی پڑھائی میں وہ ایک دھیلہ بھی خرچ کریں۔"
امام دین بولا "لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی کہ میں ٹھکورے بھیا کو روکوں کیسے۔"

"ہاں یہی تو بات ہے۔"

"اگر صاف صاف کہتا ہوں تو ٹھکورے بھیا خفا ہو جائیں گے۔"

"نہیں۔ خفا تو ضرور ہو جائیں گے۔" نصیبن بولی "وہی کہا، ان کا پورا گھر تم سے ناراض ہو جائیگا
پھر ۔۔۔!

پھر یہ کہ تم ابھی کچھ نہ کہو۔"

"لیکن ٹھکورے بھائی اس مقدمہ بازی کے سلسلہ میں بہت زیادہ زیر بار ہو چکے ہیں۔" امام دین یکبارگی پلنگ پر سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"اور مقدمہ ہے کہ ختم ہی نہیں ہوتا۔"

"تو تم ایک کام کرو۔"

"کیا ۔۔۔؟"

"تم ان کے مقدمہ میں ان کا ہاتھ بٹانے لگو

کوشش تو کئی دفعہ کی ہے۔ لیکن وہ بگڑنے لگتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے وکیل کو پچاس روپے دیئے تو وہ بگڑ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے کہ میں تم سے بڑا ہوں بڑے بھائی کو جب چھوٹا بھائی دیتا ہے جبکہ بڑا مانگے اور بڑا چھوٹے کیلئے بغیر مانگے کیا کرتا ہے

"اب تک وہ اندازاً سراج پر کتنا خرچ کر چکے ہونگے؟"

"کم از کم ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ۔"

"تو تم کچھ نہ کہو نعیمہ بولی" ایک دن میں خود ان سے بات کروں گی:"

"ہاں یہ ٹھیک ہے"۔ امام دین بولا — یہ ترکیب اچھی ہے"۔

"کل اپنا سراج ادھر آیا جا رہا ہے دوسرے ہی دن یہ نکھٹو کے بھیا سے بات کرتی ہوں"

"کیا بات کرو گی"

"یہی کہ سراج کے کالج کا سارا خرچ اب ہم اٹھائیں گے"

"ٹھیک ہے!"

اور پھر دونوں باتیں کرتے کرتے سو گئے۔

سراج انگلش فلمیں زیادہ دیکھتا تھا۔ ان فلموں کے دیکھنے سے اسے بڑا فائدہ ہوتا تھا۔ اسکی انگریزی بولنے کی استعداد انہیں فلموں کو دیکھ دیکھ کر کافی بنیادی

بڑھ گئی تھی اور اب انہیں فلموں کو دیکھ کر وہ اتنی بامحاورہ انگریزی بولتا تھا، کہ اچھے اچھے عش عش کرنے لگتے تھے۔

فرسٹ ایر کا سٹوڈنٹ اور اتنی شاندار انگریزی واقعی لوگ حیران رہ جاتے تھے اور یہ کرشمہ انہیں ہالی ووڈ کی فلموں کا تھا۔

وہ الہ آباد کی سول لائنز کے ریجنٹ تھیٹر کی ایک روپیہ پانچ آنہ والی کھڑکی کے سامنے ٹکٹ کے لئے کھڑا تھا کہ یکبارگی وہ ایک فقرائی آواز پر چونک پڑا

"آپ کیلئے ٹکٹ تو گیا، سراج صاحب"

اس نے حیران ہو کر پیچھے دیکھا ایک انتہائی خوبصورت ہوشربا لڑکی اسکے پیچھے کھڑی تھی، وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس ماہ لقا نے اسے مخاطب کیا ہوگا۔ اسے اپنے کانوں پر شک ہونے لگا اس نے سوچا سراج کا نام اس نے رجسٹر دیکھ کر نہیں رکھا کسی اور کا نام تو سراج ہو سکتا ہے اسے اس اپنے ہمنام پر رشک آنے لگا۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ سراج جس کے لئے اس پری نے ٹکٹ خریدا ہے

اس نے سوچا اور وہ پھر اسی طرح ٹکٹ کیلئے کھڑکی کی طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ یہ پری کی بہت بری طرح اسکے دل و دماغ پر چھا گئی تھی، وہ اب اسکی طرف پیٹھ کئے کھڑا تھا وہ اسے دیکھ نہیں رہا تھا، لیکن اسکا جی بار بار اسے دیکھنے کیلئے مچل رہا تھا کہ یہ آواز اسکے کانوں سے دوبارہ آ کر ٹکرائی۔

"ٹکٹ آپ کے لئے خریدا جا چکا ہے"

اور اسی وقت جب سراج نے گھوم کر پیچھے دیکھا تو اس بیحد خوبصورت اور شاہزادی لڑکی نے اسے اپنی انتہائی حسین آنکھوں کے اشارے سے بلایا

"جی ہیں آپ کو ہی مخاطب کر رہی ہوں"

اور مارے حیرت، تعجب اور خوشی کے اسکا سر چکرانے لگا وہ اسکے اشارے پر ایک قدم آگے بڑھا اور ٹکٹ کے انتظار میں کھڑے ہوئے دوسرے لوگوں نے اسے بڑے رشک کے ساتھ دیکھا۔

"جی — !" وہ اپنا گلا سہلاتے ہوئے بولا" فرمایئے"

"چلئے —" وہ لڑکی ایک ذرا سا مسکرائی اور آگے آیا لگا جیسے کہ وہ اسکی تقدیر پر کھڑی ہو وہ اسے لئے ہوئے بالکنی کیطرف بڑھی اور وہ اسکے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بالکنی کی سیڑھیوں کے پاس آکر رک گیا اس لڑکی نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔

"کیوں — ! جلدی چلئے صاحب انیوزریل میں کبھی نہیں مس کرتی"

"لیکن" وہ رکتے ہوئے بولا" آپ — میرا مطلب ہے کہ"

اور وہ محبت سے بول پڑی

جلدی کیجئے جناب۔ سب کچھ اسی جگہ کھڑے کھڑے آپ کیوں پوچھ لینا چاہتے ہیں

اور یہ کہکر وہ جلدی جلدی زینے طے کرنے لگی اور اسنے بھی اسکا ساتھ دیا

ادھر جیکو اسنے گیٹ کیپر کو ٹکٹ دیئے اور وہ دونوں بالکونی کی پچھلی دو سیٹوں پر جا کر بیٹھ گئے

ان کے بیٹھتے ہی نیوزریل شروع ہوئی اور وہ دونوں چپ چاپ نیوزریل دیکھتے رہے پھر کارٹون ہوئے اور پھر سائڈ ریلیں ہوئیں اور پھر کچھ فلموں کے ٹریلر دکھائے گئے اور پھر انٹرویل ہوا

اور جیسے ہی انٹرویل ہوا اس نے مزاح سے کہا" آیئے کینٹین چلیں

اور وہ جھٹ سے بول پڑا آپ کیا پیئیں گی ؟"

"آپ کو کیا پسند ہے ؟"

"جو آپ کو پسند ہو"

"میں تو اس وقت آئس کریم کھانے کے موڈ میں ہوں"

اور وہ جواب کا انتظار کئے بغیر باہر کی طرف لپکا اور وہ اسے روکتی ہی رہ گئی

وہ آئس کریم کے دو پیالے لے کر آ گیا۔

"آپ نے بیکار زحمت کی" وہ آئس کریم کا کپ لیتے ہوئے بولی "ہم دونوں"

اس نے کوئی جواب نہ دیا اسکے ذہن میں یہ پہلی مچی ہوئی تھی کہ آخر یہ ہے

کون کہ وہ خود ہی اسکے ذہنی کشمکش کا اندازہ لگاتے ہوئے بولی۔

"میرا نام سیما ہے"

"سیما —" اس کے دل سے آواز آئی "بڑا خوبصورت نام ہے"۔

"لیکن —" وہ بولا تھا کہ اس کی آواز پھر سنائی دی۔

میں نے آپ کیساتھ کرسچین کالج میں ایڈمیشن لیا ہے میرے ڈیڈی کمشنر

ہیں وہ اسی سال آگرہ سے ٹرانسفر ہو کر یہاں آئے ہیں۔

"لیکن — وہ رک کر کہتے ہوئے بولا" آپ مجھے کس طرح جانتی ہیں"۔ وہ بولی۔

آپ جیسے عظیم قابلیت کو کون نہیں جانتا حضور۔ ہر سال امتیاز کے

ساتھ پاس ہونے والوں کو بھلا کون نہ جانے گا۔ آگرہ ہی میں آپکا نام سنا تھا آپ

ہی کی وجہ سے تو میں نے کرسچین کالج میں داخلہ لیا ہے کئی دفعہ آپکی تصویر لیڈر

امرت بازار اور پائنیر میں دیکھ چکی ہوں۔

وہ مسکرائی، میں نے جیوں ہی اپنی کار پارک کی آپ پر نظر پڑ گئی اور میں نے

اپنی قسمت پر فخر کرتے ہوئے جھٹ سے بالکونی کے دو ٹکٹ خرید لئے" اس نے کہا

میرے ڈیڈی مسٹر اقبال حسین کا بنگلہ یہیں سول لائنز ہی ہے ہم لوگ دراصل یہیں الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔

"جی ۔"

"کیا جی ۔" وہ شوخی سے بولی "جی کے آگے بھی تو کچھ کہیے ۔"

اور وہ زیادہ بوکھلا گیا، دراصل وہ اس بیحد خوبصورت لڑکی سے بیحد مرعوب ہو چکا تھا۔ اسکی سٹی گم تھی وہ سوچ رہا تھا کہ شاید وہ خواب دیکھ رہا ہے ورنہ اتنی خوبصورت لڑکی اس سے اس طرح گھل مل کر باتیں کیسے کر سکتی ہے ! ایسی قسمت کہاں اسکی کہ یہ لڑکی خود ہی اسکا سٹ بے ادہ اسکے ساتھ بیٹھ کر سنما دیکھے یہ تو خواب ہی کی باتیں ہو سکتی ہیں وہ تو خواب ہی دیکھ سکتا ہے اس قسم کے حالانکہ آج تک اسے اس قسم کے میٹھے اور رنگین خواب بھی نہیں دکھائی دیئے تھے

وہ اسی طرح حیران و پریشان گم سم بیٹھا آئس کریم کھا رہا تھا کہ وہ بولی

"کیا سوچ رہے ہیں جناب !"

"میں ۔ میں ۔ نہیں" وہ ٹھٹک کر نگلتے ہوئے بولا میں یہ سوچ رہا ہوں کہ میں یہ سب کچھ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔"

"شاید آپ دیکھ بھی رہے ہوں ۔" وہ بولی اور اتنے میں سنیما ہاؤس میں اندھیرا ہو گیا ، فلم کے ٹائیٹل شروع ہو چکے تھے ان دونوں کی نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں

یہ فلم "دھرم یار دست" بیحد عمدہ تصویر تھی وہ دونوں اس تصویر کی دلچسپیوں میں کھو گئے، عمران کا ذہن کبھی کبھی سیما کے جوان اور معطر جسم کی خوشبو سے بہک جاتا تھا۔ اور اسکا ذہن اسکرین کی طرف سے ہٹ کر اس حسین اور دلفریب لڑکی

کے وجود میں کھو جاتا اور اس کے دلیں حسین اور نامعلوم قسم کی گدگدی ہونے لگتی تھی، اور وہ بوکھلا اٹھا تھا اسے ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے کہ وہ اس لڑکی کو چاہنے لگا ہو، وہ بار بار اپنے آپکو سنبھالنے کی کوشش کرتا۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ غلطی سے اس نے سیما کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھدیا اور سیما کے ہاتھ پر اسکے ہاتھ کا پڑھنا تھا۔ کہ وہ ساری جان سے کانپ گیا اس کے تمام جسم میں چونٹیاں سی رینگنے لگیں اور اسکا دل اسکے پہلو میں زور زور سے دھڑکنے لگا، اس کا جسم گرم ہو گیا، اسکی کنپٹیاں گرم ہو گئیں اور اسکا تنفس تیز ہو گیا۔

اس کی اس حالت کو سیما نے محسوس کر لیا اسنے انکھیوں سے اسکی طرف دیکھا وہ کب کا اپنا ہاتھ سیما کے ہاتھ پر سے علیحدہ کر چکا ہے اور اپنا ہاتھ سیما کے ہاتھ پر سے اسنے اس انداز میں ہٹایا تھا جیسے کہ اسکا یہ ہاتھ انجان پنے میں کسی سانپ یا بچھو پر پڑ گیا ہو۔

وہ سراجکی رگھبراہٹ اور ندامت میں رسمی طور پر "سوری" بھی نہیں کر سکا تھا طرف اپنی سیٹ پر وہ پہلو بدل کر رہ گیا تھا

"ہاٹ اے لول ایکشن"

ہیروئن کے ایکشن پر بے اختیار سیما کے منہ سے نکلا اور اسنے سراج کا ہاتھ بڑی زور سے دبایا

"ویری گڈ شاٹ"

اور دوسرے ہی لمحے ہیرو کے ہونٹ ہیروئن کے ہونٹوں پہ پیوست ہو چکے تھے اس نے قدرے جھینپ کر اپنے ہاتھ کی گرفت سراج کے ہاتھ پر ڈھیلی کر دی پھر اسنے اپنا ہاتھ ہٹا لیا سراج کو ایسا لگا جیسے کہ کسی نے اسے دھکے مار کر جنت سے باہر پھینک دیا ہو سراج مکمل طور پر اپنے آپ کو اس حسین لڑکی سیما کے قدموں پر ڈال چکا تھا

ایک انجان بہار بن کر سما اس کی زندگی میں سما گئی ہو۔

اور پھر جب فلم ختم ہوگئی تو دونوں ہال سے باہر نکلے، سراج کھویا کھویا سا تھا وہ سوچ رہا تھا کاش کہ یہ فلم کبھی ختم نہ ہوتی۔ وہ زندگی بھر چلتی رہتی اور دونوں زندگی بھر اسی طرح ایک ساتھ شانہ سے شانہ ملائے سینما ہال میں بیٹھے رہتے اسے فلم کے اسقدر جلد ختم ہو جانے پر بے حد افسوس ہو رہا تھا۔

"ایک تکلیف آپ کو اور دوں۔"

اور وہ بجائے اس سوال پر مجسم سر تسلیم خم بن گیا۔

"فرمایئے۔" وہ بڑی بے کلی سے بولا۔

"اگر آپ پسند کریں تو ہم دونوں علیحدہ ہونے سے پہلے کسی ریسٹوران میں چل کر چائے پی لیں۔" اور اسکی اس خواہش پر اس طرح چونک پڑا جیسے کہ اندھا کسی کی اس خواہش پر دیوانہ ہو جائے کہ وہ اسے بینائی عطا کر دینا چاہتا ہے

"بڑے شوق سے۔" وہ بولا "بلکہ سچ پوچھیے تو یہ میری بھی خواہش تھی۔"

اور اب وہ دونوں ایک ریسٹوران کے پرائیویٹ کیبن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"آپکو معلوم ہے کہ میں نے کچھ کالج میں داخلہ کیوں لیا ہے؟"

اور پھر اس کے جواب سے پہلے وہ خود ہی بولی۔

محض آپکی قربت کیوجہ سے۔" اس نے اسکے چہرے پر اپنی نظر گاڑ دیں "آپ میرے خوابوں کے وہ حسین شہزادے ہیں جنہیں میں آج مسلسل دو سال سے اپنے خوابوں میں دیکھ رہی ہوں"

اور اسکے منہ سے یہ سنکر اسے ایسا لگا جیسے کہ وہ عرش پر پہنچ گیا ہو یا جیسے کہ قدرت نے اسے پر عطا کر دیئے ہوں اور وہ دور فضاؤں کی بلندی پر اڑنے لگا ہو

مارے خوشی وہ دیوانہ ہو گیا۔ اور جواب میں اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ دفورِ شوق میں اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔

سراج کے باپ نے اسے اس کی شادی کے سلسلہ میں کئی خط لکھوائے لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا وہ دراصل اب یہ شادی کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کہاں گاؤں کی وہ سیدھی سادی اور چند قسم کی لالی اور کہاں یہ شہر کی تیز طرار حسینہ سیما دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا سیما اس پر دل و جان سے فریفتہ تھی اور وہ سیما کا دیوانہ بنا ہوا اسکے نام کی مالا جپنے لگا تھا دونوں میں شادی کر لینے کے عہد و پیماں بھی ہو چکے تھے۔

اور اب اس کا جی بھی پڑھائی میں نہیں لگتا تھا۔ وہ کتابوں سے اب برائے نام دلچسپی لیتا تھا۔ کتابوں سے زیادہ اب اسے سیما اچھی لگتی تھی اور وہ دن رات اسی کے خواب دیکھتا تھا۔

فرسٹ ائر کا امتحان اس نے دیدیا تھا۔ کہ اس کا باپ گاؤں سے اس کے پاس آ گیا۔ وہ امتحانات ختم ہونے کے بعد بھی گاؤں نہیں آیا تھا اور وہاں اس کا انتظار بڑی سختی کیسا تھ ہو رہا تھا لالی اس کے انتظار میں دیوانی ہو گئی تھی اور اس کی آنکھیں اسکی راہ تکتے تکتے پتھرا گئیں تھیں اس بیچاری کے فرشتوں کو بھی یہ خبر نہیں تھی کہ اس کا بچپن کا ساتھی اس کا منگیتر یہ سراج اب اس کا نہیں رہا۔ بلکہ اب وہ شہر کی ایک بیحد خوبصورت اور طرحدار لونڈیا کے خواب دیکھنے لگا ہے اور وہ یہ خواب دیکھنے لگا ہے کہ مستقبل قریب میں شہر کی اس طرحدار اور خوبصورت لڑکی کا دولہا بن جائے گا۔

سراج کا باپ: امام الدین جب اپنے بیٹے کے ہوسٹل پہنچا تو وہ ہوسٹل کے اپنے کمرے میں موجود نہیں تھا وہ وہیں اس کے کمرے کے سامنے وارنڈے میں کھمبے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا

اور اپنے ہونہار بیٹے کا انتظار کرنے لگتا۔

وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اور وہ سیما کے ساتھ پکچر ہاؤس میں بیٹھا تصویر دیکھ رہا تھا۔ اور پھر سینما سے نکلنے کے بعد سیما اس سے بولی "کیوں مسٹر کیا خیال ہے جو خیالی میری سرکار ہو۔"

میٹنی شو ہم نے اس لئے دیکھا تھا کہ شام کو ہم لوگ جمنا پار کی سیر کریں۔

"جنت کا زینہ! اس سے انکار؟" وہ بولا "کفر نہیں تو اور کیا ہے۔ جہاں چاہیے لے چلئے بندہ بے دام حاضر ہے۔" اس نے اس کا ہاتھ بڑے زور سے دبایا۔

"آپ ہی کی خاطر سرکار تو یہ غلام اپنی جاگیر پر نہیں گیا۔ اب تک قبلہ والد صاحب کا خط روز آتا ہے۔ اور میں جواب تک نہیں دیتا۔"

سراج نے سیما کو اس فریب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ اس کا باپ امام الدین کئی گاؤں کا مالک ہے۔ کئی ایکڑ زمین پر کاشت ہوتی ہے۔ دس بارہ اسکے قلمی آموں کے باغ لگا کر اور ہزاروں روپیہ ماہوار اس کی آمدنی ہے۔ لو سیما! ایسے اس فریب میں مبتلا ہو کر اسکی اور زیادہ شیدا بن گئی تھی۔ اور وہ اپنے باپ اور اپنے چچا کو ڈرا دھمکا کر خط لکھ لکھ کر زیادہ سے زیادہ روپے منگوانے لگتا تھا۔ اسکی تفریحات اور اسکے موٹروں کا خرچ بہت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ سیما کی نظروں میں وہ جاگیردار جو بنکر پیش ہو رہا تھا۔

"اچھا تو پھر چلو" انتا وسیما نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا "ہو جائے ٹھاٹدار قسم کی سیر او کے۔"

وہ اچک کر اگلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور اس نے کار پر سٹیئر کر اپنی کار اسٹارٹ کی۔ کار بڑی تیزی کے ساتھ جمنا کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اور وہ گنگنا رہا تھا۔

اک بنگلہ بنے نیارا — رہے جس میں کنبہ سارا — اک بنگلہ بنے نیارا
اس وقت اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

وہ دونوں جیسا کہ اس بار ایک کشتی پر بیٹھے سیر کر رہے تھے۔ دونوں کی مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ وہ دونوں گلاب کے خوشگفتہ پھولوں کی طرح کھلے ہوئے تھے ملاح کشتی کے دوسرے کونے پر بیٹھا کشتی کھے جا رہا تھا۔ اور وہ دونوں کشتی کے دوسرے سرے پر ایک دوسرے کے نزدیک بیٹھے بڑی پیار بھری باتیں کر رہے تھے۔

تم مجھے اچانک اس طرح مل گئے ہو سیما جیسے کہ کسی نازمان کو ایک حادثہ کے طور پر جنت عطا کر دی گئی ہو، بالکل غیر متوقع طور پر جس کا وہ مستحق نہ ہو۔

اچھا سیما نے اسے عجیب و غریب نظروں سے دیکھا تو گویا میں جنت میں آگئی ہوں۔

بیشک وہ بڑے جوش کے عالم میں بولا تو میرے لئے جنت سے بھی بڑھ کر ہو۔

یہ تم نے اس سے پہلے کسی اور سے کتنی بار کہا ہے۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

صرف پہلی دفعہ میں یہ کہہ رہا ہوں۔ اور وہ بھی تم سے اپنی جنت سے۔

تو میں آج سے اپنا نام جنت رکھے لے رہی ہوں وہ خوشی سے بولی سیما تو محض ایک فضول سا نام ہے اور پھر اس نے سراج کی طرف نا جواب طلب نظروں سے دیکھا

کیوں کیا خیال ہے آپ کا ——؟

مذاق چھوڑو سیما اور یہ بتاؤ کہ تم مجھے بھلا تو نہ دو گی۔

یہ میں کیسے کہہ سکتی ہوں بھلا۔ سیما کھلکھلا کر ہنس پڑی میں کوئی نجومی تھوڑے ہی ہوں کہ مستقبل کی باتیں بتا دوں

مذاق مت کرو سیما !!

میں مذاق کہاں کر رہی ہوں۔

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم مجھے بھول جاؤ گی۔

میں یہ بھی نہیں کہہ سکتی۔

تمہاری شادی وادی کہیں طے تو نہیں ہے پہلے سے"

طے تو ہے —"

ہاں نہیں —"

ہاں وہ مسکرائی۔ میری شادی طے ہو چکی ہے۔

کس سے —؟ وہ اسی انداز میں بولا جیسے کہ وہ اپنی محبت کا ماتم کر رہا ہو

مسٹر سعید الدین ایم اے کے ساتھ جو اپنی مزید تعلیم کے لئے ولایت گئے ہوئے ہیں

وہ مسکرائی اب تم پوچھو گے کہ وہ کون صاحب ہیں تو پوچھنے سے پہلے ہی بتا دوں

وہ صاحب میرے خالہ کے بیٹے ہیں۔ ان کے باپ لکھنؤ میں کلکٹر ہیں"

اور پھر وہ خود ہی بول پڑی —"

اور تمہاری شادی بھی تو طے ہے نا۔"

طے ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ دوسری ہوئی آواز میں بولا میں اس دیہاتی

لڑکی سے ہرگز شادی نہ کروں گا۔ ہونہہ نرالی بھی کوئی لڑکی ہے۔

اور وہ نرالی جو کہ اب اس کی نظروں میں کسی کام کی لڑکی نہیں تھی اس وقت

جب کہ وہ ایک بڑے گھرانے کی لڑکی سے عشق کر رہا تھا۔ اس کی یاد میں

اداس اور گم سم بیٹھی تھی۔ اور اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

وہ کبھی ایسے تھے تو نہیں۔ اس کے دل نے آواز دی یہ آخر انہیں کیا ہو گیا ہے نہ وہ

خط کا جواب دیتے ہیں اور نہ الہ آباد سے آ ہی رہے ہیں وہ اسد سے چھٹیوں میں
اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے کہیں وہ کسی اور سے تو محبت نہیں کرنے لگے۔ اس
کے دل سے ایک ہوک اٹھی ہائے میرے اللہ اگر میرا یہ وہم سچا نکلا تو میں تو بے موت
مر جاؤں گی۔ زہر کھا لوں گی

وہ بے اختیار رونے لگی گرم گرم آنسوؤں کی دھار اس کی آنکھوں سے
بہہ نکلی۔ ایک آہ اس کے جگر سے کھینچ کر باہر آگئی وہ بڑبڑائی۔

چاہے وہ کیسے ہی کیوں نہ ہو گئے ہوں کتنے ہی بدتر اور برے وہ کیوں نہ ہو
گئے ہوں۔ لیکن میں ان کی ہوں اور مرتے دم تک بس ان ہی کی رہوں گی۔

سراج نے بہت برا سا منہ بنایا۔ اسنے تھوک کر کے جمنا کی صاف شفاف سطح پر تھوک دیا
میں لالی جیسی معصوم لڑکی کی جھوٹ پر تھوکنا گنا بھی نہیں۔"

پھر —"

پھر کیا —" اس نے سیدھی بات کا جواب دیا اگر تم مجھے ٹھکرا دو گی تو میں خود
کشی کر لوں گا۔ تم پر نہ سہی لیکن موت پر تو میرا اختیار رہے۔

لیکن اپنی موت اور زندگی پر تو سنا ہے کہ سوا خدا کے کسی کو اختیار نہیں ہوتا
لیکن اپنی موت پر میرا اختیار ہے۔ سراج چڑ کر بولا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی
بس — اتنی جلدی خفا ہو گئے۔

تم مسلسل جلائے جو جا رہی ہو۔

اچھا اب نہ جلاؤں گی بس اب تو خوش — وہ مسکراتے ہوئے بولی کہ اب تو مان جاؤ

اور وہ اسکی اتنی سی بات پر خوش ہو گیا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ اسے دنیا

کی دولت مل گئی ہو کائنات کی ہر چیز پر جیسے کہ اس کا قبضہ ہو گیا ہو

اچھا اب چلئے سرکار سیما مسکرائی پہلے تو آپ کو ہوسٹل چھوڑ دوں گی اور پھر گھر

جاؤں گی نہیں تو بابا مارے جوتوں میری چاند گنجی کر دیں گے۔

اچھا وہ اس انداز میں بولا جیسے کہ اس کا جی جانے کو نہ چاہتا ہو چلئے

اور پھر وہ دونوں کنارے پر آگئے۔

سراج کا باپ ہوسٹل کے چپراسی سے پوچھ رہا تھا۔

”کب تک آجائے گا بھیا؟“ وہ بڑی تکلیف سے بولا میں اب تو

اس جگہ فرش پر بیٹھے بیٹھے تھک گیا ہوں۔

اور قبل اس کے کہ وہ ملازم کوئی جواب دے کالج کے کمپاؤنڈ میں

سیما کی کار داخل ہوئی اور وہ ملازم بولا

لو تمہارا بیٹا آگیا ہے شاید۔

”میرا بیٹا۔! امام الدین کے دل سے آواز آئی اور اس کی عوٹھ پر؟“

وہ حیران ہو رہا تھا۔ کہ اتنے میں سیما نے کار ہوسٹل کے کمپاؤنڈ میں لا کر کھڑی کر دی

کار سے اترنے سے پہلے ہی سراج نے اپنے باپ کو دیکھ لیا اور اس کا منہ فق ہو گیا۔

”یہ کہاں سے آگیا کمبخت۔“ اس کے دل نے کہا اور وہ فوراً ہی سیما سے بولا

اچھا سیما اب تم جاؤ خدا حافظ ہم کل اسی جگہ اسی ریسٹورنٹ میں ملیں گے۔

ارے واہ! سیما نے اسے حیرت سے دیکھا اب اتنی بیزاری مجھے زبردستی دھکے دے رہے ہو

اس نے کار کا دروازہ کھولا

وہ نوٹس تو لے لوں تم سے۔

اور وہ کار سے باہر آگئی۔ چاروناچار سراج کو بھی کار سے باہر نکلنا پڑا امام الدین ان دونوں کو بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا اور پھر یکبارگی اپنے بیٹے کی طرف لپکا

کب سے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں بیٹے ——— وہ بے تحاشا سراج سے لپٹ گیا! تم نے اپنے باپ کے ایک خط کا جواب بھی نہیں دیا۔

وہ اس سے بے تحاشا لپٹا ہوا تھا اور وہ بہت ہی زیادہ سراسیمہ اور پریشان بڑی بے بسی کے عالم میں سیما کو دیکھ رہا تھا اور سیما بڑی حیرت اور تعجب سے ان دونوں کو تک رہی تھی سراج کا یہ باپ ہے۔ بار بار یہ سوال اس کے ذہن میں پیدا ہو رہا تھا اور امام الدین سراج کو جھنجھوڑ رہا تھا۔

تم اتنے بگڑ جاؤ گے یہ میں نے خواب میں بھی نہیں سوچا۔ خط نہ پتر اور نہ کوئی خیر خبر کیا اسی دن کے لیے تم شہر پڑھنے کیلئے آئے تھے۔ کیا اسی دن کے لیے ہم نے پال پوس کر اتنا بڑا کیا تھا!

چھوڑو نہ مجھے سراج نے اپنے باپ امام الدین کو بڑے جھنجھلائے ہوئے انداز میں جھٹکا دیا۔ اب وہ اس کی گرفت سے آزاد ہو چکا تھا۔ اندر کمرے میں آ کر بات کرو۔

اس نے کمرہ کھولا اور امام الدین اپنی پوٹلی لے کر اندر آگیا وہ سیما کو اب بھی ٹالنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اندر آگئی چاروناچار وہ بھی کمرے میں آگیا۔

تمہیں معلوم ہے ناکہ ہم نے تمہارا بیاہ طے کر دیا ہے لالی جیسی ہو مجھے چراغ لیکر ڈھونڈھنے سے بھی نہ ملیگی دن رات وہ بیچاری تیری راہ تکتی ہے جیسے پلک لگ گئی ہے

اسے اور تو ہے کہ امتحان کے بعد بھی یہیں بیٹھو رہا۔ اس نے اپنے بیٹے کو ڈانٹا

بولی جواب دے اب تک تو یہاں کیا کر رہا تھا!

اس نے گھبرا کر سیما سے انگریزی میں کہا۔

یہ میرے گھر کا پرانا نوکر ہے۔ اس نے مجھے بچپن سے پالا ہے۔ بیحد منہ لگا ہے

میرے ڈیڈی تک اس کا لحاظ کرتے ہیں۔ یہ انہیں بھی ڈانٹ دیتا ہے

اور یہ کہا اس نے نوٹس کی کاپی جلدی سے اسکی طرف بڑھا دی

اس وقت تم جاؤ ڈیئر میں کل تم سے ملوں گا۔

وہ اسے زبردستی گویا کہ دھکیلے دے کر کمرے سے باہر آ کر سیما نے اس سے کہا

مجھے تو یہ تمہارا باپ لگتا ہے۔

پاگل ہو گئی ہو۔ سراج نے اسے خشمگیں نظروں سے دیکھا کہ تو میرا باپ بنا رہی ہو۔

اور پھر وہ اسکی پیٹھ پہ ہاتھ رکھ کر اسے آگے بڑھاتے ہوئے بولا

اب تم جاؤ سیما مجھے اس منہ لگے ملازم کو بڑی ترکیبوں سے ٹالنا ہے نہیں تو

جان کو آ جائے گا۔

وہ تو یہ کہہ رہا ہے کہ تمہارا بیاہ لالی کیسا ٹھوٹے ہو گیا ہے۔ سب تیاریاں ہو چکی ہیں

اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے سیما۔ وہ الجھتے ہوئے بولا کیا میں پاگل ہوں۔

جاہل ہوں۔ کیا میں کر ہی لالی جیسی لڑکی کیسا تو اپنی قسمت پھوڑ لوں گا۔

پر یہ لالی ہے کون ہے؟

ہے ایک سیاپا۔" وہ جیسے کہہ دیا۔ اب تم جاؤ جلدی نہیں تو یہ بڈھا خواہ مخواہ

کیسے میری جان کو آ جائے گا۔ اس نے مسکرانے کی کوشش کی۔

کل میں یہ سارا قصہ تمہیں تفصیل کے ساتھ سناؤں گا۔

اور ... کے"

سیما چلی گئی۔ وہ اندر آیا، اکیلے اندر آتے ہی امام الدین نے نفرت سے منہ بناتے ہوئے اس سے پوچھا

یہ کون لڑکی ہے ؟

ہے ایک — وہ بیزاری سے بولا۔

کیا مطلب — ؟"

یہ لڑکی میرے ساتھ پڑھتی ہے۔

کہاں گئے تھے تم اس کے ساتھ؟

میں اسے گھر پر پڑھاتا ہوں اور وہ یکبارگی الجھ کر بولا

بیکو تم اس طرح منہ اٹھائے میرے ہوسٹل میں کیوں چلے آئے لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے مجھے — اس نے نفرت سے اپنی ناک سکوڑ لی۔

یہ کالج ہے — اب میں کالج میں پڑھتا ہوں تم ہو کہ پوٹلی اٹھا کر بڑے چاؤ سے یہاں آگئے یہاں اس کالج میں بڑے آدمیوں اور شریفوں کے بچے پڑھتے ہیں تو کیا اب میں تیرے اس کالج میں آنے کے بعد شریف بھی نہیں رہا۔ امام الدین بڑے درد اور بڑی حیرت کے ساتھ بولا۔

کیا اب ہم سب تیری نظروں میں اچھوت ہو گئے ہیں۔

یہ بات نہیں۔ وہ بیزاری سے کہہ اٹھا پھر بھی تم کو اس طرح یہاں نہ آنا چاہیے تھا

مجھے پڑھا لکھا کر تو ہم نے ایسا لگ رہا ہے کہ بہت بڑی بھول کی ہے امام دین نفرت سے بولا۔

اب ہم انسان بھی نہیں رہے تیری نظروں میں تو تجھے اپنا باپ کہنے تک کو تیار نہیں ہے کیا پڑھ لکھ کر بجائے انسان بننے کے لوگ حیوان بن جاتے ہیں۔؟

اور پھر وہ بات کو اور زیادہ طول نہ دیکر فیصلہ کن انداز میں بولا

اچھا خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ سب چھوڑو اور چلو میرے ساتھ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

کہاں چلوں —؟

گھر اور کہاں —!

تم جاؤ — میں اپنا نتیجہ لے کر آؤں گا۔

نتیجہ تو آ گیا تیرا وہ بگڑ کر بولا۔ نتیجہ تو مل گیا تجھے کیا اس سے برا بھی کوئی نتیجہ ہو سکتا ہے۔ تو نے مجھے باپ کہنا تک گوارا نہ کیا۔ کیا اب اور بھی کچھ رہ گیا ہے نہ سلام نہ دعا نہ آداب۔ نہ پوچھو نہ گچھ کیا تو مجھے بچہ سمجھتا ہے کیا میں سمجھتا نہیں ہوں کہ تو اس لڑکی کے سامنے یہ ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا کہ میں تیرا باپ ہوں اور وہ ہونٹ کاٹنے لگا میں باز آیا تمہیں پڑھانے سے بھر پایا میں اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر ہم تجھے جھولی بھر بھر کر ماہانہ خرچ روپیہ کیا اسی لئے بھیجتے رہے ہیں کہ تو شہر میں رہ کر یہ سیکھے کہ جاہل اور دیہاتی باپ، باپ نہیں بلکہ نوکر ہوتا ہے۔ نکھو دے بھیا نے کیا اسلئے تجھ پر احسان کیا تھا کہ تم ان کے ارمانوں کا جنازہ نکال دے لالی جیسی نیک صفت اور فرشتہ خصلت لڑکی کو بھول کر شہر کی ان پر کٹی کبوتریوں کے گرد چکر لگانا شروع کر دے وہ دانت پیس کر بولا کمینے — ذلیل — آوارہ جی چاہتا ہے کہ میں تیرا گلا گھونٹ دوں ہم تجھے بڑا نیک، شریف اور ہونہار سمجھتے تھے ہم کیا جانتے تھے کہ تیری یہ ذہنی سعادت مندی سراسر دھوکہ ہے تو شہر آ کر اپنی اوقات بھول بیٹھے گا

وہ اسے ڈانٹتا رہا۔ ڈپٹتا رہا اور اس پر غصہ کرتا رہا اور وہ غصے میں بھرا بیٹھا سب کچھ سنتا رہا اور پھر یکبارگی بولا

"اچھا اب تم کہہ چکے ۔"

وہ کرسی پر سے کھڑا ہو گیا۔

اب تم جاؤ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا نہیں۔ اور میں لالی سے شادی بھی نہیں کروں گا۔ سمجھ لو میں مر گیا ہوں تم لوگوں کے لیے۔"

کیا بکتا ہے کمینے۔" امام دین روز سے گرجا اور وہ پلنگ پر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا قسم قرآن پاک کی میں تجھے عاق کر دوں گا کبھی تیری صورت نہ دیکھوں گا اور میں تجھے ایسی بددعا دوں گا کہ مرتے وقت تجھے پانی بھی نہ ملے گا۔

اچھا اچھا وہ بولا "اب تم جاؤ"

اور نہاں تیرے بیاہ کی تیاریاں ہو چکی ہیں۔"

سمجھ لو کہ میں اس بیاہ سے پہلے ہی مر چکا ہوں۔"

تو یہ تیرا آخری فیصلہ ہے۔"

جی ہاں —"

اچھا وہ گلہ پھاڑ کر چلاتا

اتنی تیری ہمت — میں جان سے نہ مار ڈالوں گا تجھے۔"

یہاں شور مت مچاؤ۔" سراج بیزاری سے بولا۔"

یہ ہوسٹل ہے کوئی جنگل یا کھلیان نہیں ہے۔"

ابے — امام دین نے اس کے گال پر ایک طمانچہ لگایا — بڑا آیا تجھے

جنگل یا کھلیان بنانے والا چل بیدھے میرے ساتھو نہیں تو میں مارے جوتوں کے زمین کھود دوں گا۔ کمینہ، آوارہ، بدمعاش۔"

اس نے اسے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا

میں اتنی آسانی کے ساتھ اپنی تباہی کا جنازہ اپنے کندھوں پر ہرگز نہ اٹھنے دوں گا تجھے جان سے مار ڈالوں گا اور پھر ہنسی خوشی پھانسی کا پھندا ڈال لوں گا۔ میں اپنی گردن میں۔ وہ زور سے چیخا۔

یہ سن کر سراج کے کمرے کے سامنے ہوسٹل کا باورچی چپراسی اور دو ایک لڑکے آکر کھڑے ہو گئے تھے۔ سراج نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اپنے باپ کی گرفت سے آزاد کرایا۔ اس نے اپنی حالت کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

یہ کیا حماقت ہے تم تو مجھے اس ہوسٹل میں رہنے بھی نہ دو گے۔"

اور پھر اسنے اسی وقت اپنے باپ کو سمجھا بجھا کر ٹال دینے ہی میں مصلحت سمجھی لہذا وہ بولا

تم جاؤ — میں کل آجاؤں گا"

نہیں میں تجھے اپنے ساتھو ہی لیکر جاؤں گا فیصلہ کن انداز میں بولا۔

اور اب تیرا پڑھنا لکھنا سب بند"

دیکھو میں کہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ وہ دانت پیسکر بیزاری سے بولا" ورنہ

ورنہ کیا —! بدتمیز —"

ذلیل کمینے اگر تو پیدا ہوتے ہی مرجاتا تو کتنا اچھا تھا

امام دین غصے میں دانت پیس کر اسکی طرف بڑھا اور سراج نے اسے اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ ایک جھٹکا کھا کر بڑے زور سے فرش پر چت گر پڑا!

اس کے سر سے خون بہنے لگا۔

سراج اس کی اس چوٹ کی کوئی پرواہ نہ کرتے ہوئے زور سے چیخا

گٹ آؤٹ — دور ہو جاؤ۔"

اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اسے باہر کے کمرے کی طرف حمید کا دیکر لگاتے ہوئے بولا۔

خبردار جو اب کبھی تم نے اپنی یہ منحوس صورت مجھے دکھائی۔"

ایک نالائق اور کمینے جوان بیٹے کے دھکے سے ایک بوڑھا باپ فرش پر اوندھے منہ پڑا تھا اور وہ نالائق اور بدنصیب بیٹا اپنے باپ کو ڈانٹ رہا تھا۔

زندگی کا نوکر سر پر چڑھنے چلا تھا۔ اس نے اپنی جھوٹی آن اور جھوٹی عزت کے لئے اپنے باپ کو باپ کہنے سے انکار کر دیا وہ دیکھنے اور سننے والوں پر یہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ اس کا نوکر ہے۔ اس کا باپ نہیں ہے۔

اس نے اس کی پوٹلی بڑی نفرت اور غصے سے اٹھا کر اس کے اوپر پھینک دی کہ بتا کہ وہ لالی کالی سے کوئی شادی وادی نہ کروں گا۔ بس اس منحوس گاؤں سے اگر اب تم کو کبھی تیار نہیں ہوں گا"

بوڑھا باپ کراہتے ہوئے بولا اور اس کی طرف دیکھے بغیر آنکھوں میں آنسو بھرے وہاں سے ایک جھنجوڑے ہوئے کتے کی طرح جسم دبا ہوا اپنی راہ لگ گیا۔

اس کی کھچڑی ڈاڑھی کے بالوں میں اس کے دل کا درد اور اس کا بے پایاں غم آنسوؤں کی شکل میں پھنسا ہوا تھا۔ اور وہ اپنا سب کچھ لٹا کر ہوسٹل کے کمپاؤنڈ سے باہر جا رہا تھا۔

امام دین بڑی بیزاری سے بولا۔

میں اس جیسی نالائق اولاد پر اب تھوکنے کو بھی تیار نہیں ہوں اس کی زندگی بھر صورت نہ دیکھوں گا۔

میں کب کہتی ہوں کہ تم اس بے حیا بے غیرت اور کمینے انسان کی صورت دیکھو، سراج کی ماں نصیبن بھرپور نفرت کے ساتھ بولی

میں اس کا دودھ نہ بخشوں گی میں اسے کبھی نہ معاف کروں گی میں اس بدمعاش کی صورت بھی دیکھنے کو تیار نہیں ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ اماں ٹھکورے جیسا اور ان کے گھر والوں کو کیا جواب دیں گے ہم؟ آج ایک ہفتہ سے میں سوچ رہی ہوں جب تم اس حرامزادے کے پاس سے ہو کر آئے ہو شادی کی تاریخ کے لیے سلیمن کم از کم سو دفعہ پوچھ چکی ہیں۔

ٹھکورے بھیا بھی مجھ سے بار بار یہی پوچھ رہے ہیں۔ امام دین آنکھوں میں آنسو بھر کر بولا۔ کیا جواب دوں بن نہیں پڑتی کوئی بات۔

آج ہم لوگ انہیں صاف صاف کیوں نہ بتا دیں۔

یہی میں سوچ رہا ہوں۔

یہی مناسب بھی ہے۔ وہ زیادہ دن ان سے چھپا رکھنا ناممکن ہے۔ بیٹی کی شادی سلام علی سے کر دیں تو اچھا ہے۔ سلام علی لالی کا اس وقت کا منگیتر ہے۔ جب کہ لالی ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔

اچھا۔ وہ بڑی تکلیف کے ساتھ بولا ٹھکورے بھیا سے ایسی قسم کی بات کرنے کی میری ہمت نہیں ہو رہی لیکن اب تو یہ بات ان سے کرنی ہی پڑے گی بیکار کے جھوٹ اور بہانوں سے اب فائدہ بھی کیا ہے

اور پھر اسی وقت وہ اپنی بیوی نصیبن کے ساتھ ٹھکورے کے گھر گیا اس کا دل بھر آیا تھا۔ اسکی آنکھیں ڈبڈبا رہی تھیں۔ اور اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ جا کر ٹھکورے کی کمر سے لپٹ کر رونے لگا۔ اور اسے روتا ہوا دیکھ کر ٹھکورے گھبرا گیا۔ اس کا سارا گھر پریشان ہو گیا۔ ادھر نصیبن بھی رو رہی تھی۔ وہ لوگ بہت زیادہ پریشان ہو گئے۔ وہ سب کے سب یکدم سے گھبرا گئے۔ لالی کے اوسان خطا ہو گئے رسول بوکھلا گیا اور لالی کی بہن ان دونوں کو روتا دیکھ کر چیخ مار کر رونے لگی۔

کیا ہوا امام دین بھیا ٹھکورے نے اپنے دل و دماغ کو قابو میں کرتے ہوئے بولا۔ آخر کچھ تو بتاؤ بھی کہ یہ کیا ماجرا ہے۔

تم میرے جوتے لگاؤ ٹھکورے بھائی تم سب مل کر مجھ پر تھوکو میرا پوری برادری میں حقہ پانی بند کر دو مجھے جو چاہو سزا دو میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔۔

پر ہوا کیا ۔۔۔؟

میں تمہیں سب کو منہ دکھانے کیلئے لائق نہیں رہا" امام دین زار و قطار رو رہا تھا

ہوا کیا یار" ٹھکورے نے قدرے جھنجھلاہٹ سے کہا کچھ بولو بھی تو۔"

میری بیٹی لالی کی شادی اب میرے نالائق اور حرامزادے بیٹے کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔"

ارے!" وہ سب حیران ہو کر امام دین کا منہ تکنے لگے۔ آخر کیوں کوئی وجہ، ہوا کیا؟"

"نگینہ اب ہمارا بیٹا نہیں رہا" نصیبن دوپٹے کے آنچل سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بولی ——— میں اس کا دودھ بھی اب کبھی نہیں بخشوں گی وہ مر گیا ہے ہمارے لئے۔

"وہ آوارہ اور بدچلن ہو گیا ہے شکورے بیٹا" امام دین اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولا شہر کی تعلیم نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ وہ کسی شہری لڑکی کے عشق میں پھنس کر پاگل ہو چکا ہے۔ اب اسے مجھے اپنا باپ کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔

اور پھر شکورے نے پورے گھر کو ساری بات تفصیل سے سنائی۔ اور یہ ساری باتیں سن کر ان سب کو جیسے کہ سکتہ ہو گیا شکورے بہت زیادہ غمگین ہو کر بولا "بڑی عجیب بات ہے وہ لڑکا ایسا تو تھا نہیں۔

تھا نہیں پر اب وہ ایسا ہو گیا ہے امام دین بولا اور اب وہ سدھر نہیں سکتا۔ اور اگر اب وہ سدھر بھی جائے تو بھی میں اسکی صورت دیکھنے کو تیار نہیں ہوں میرے نزدیک وہ مر چکا ہے۔ میں اس کا نام لینا تک اب پسند نہیں کرتا۔

اللہ کرے کہ وہ مر جائے نصیبن نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو بے پڑا کر اپنے بیٹے کو کوسا۔ جہنم میں جلے میری کوکھ جس نے کہ اس جیسا بیٹا پیدا کیا ہے غضب خدا کا زمانہ اتنا بدل گیا ہے کہ بیٹا اپنے باپ پر ہاتھ اٹھاتے میرا بس چلے تو میں اس رذیل کو کچا چبا جاؤں میں اپنے شوہر کی بے عزتی کرنے والے کا خون پی جانے کے لئے بے چین ہوں۔

ایک دفعہ میں اسے جا کر دیکھتا ہوں شکورے بولا شاید وہ بدنصیب راہِ راست پر آ جائے۔

"نہیں نہیں:" امام دین جیسے کہ دہائیاں دینے لگا: "خدا کے واسطے شکور بھیّا تم اس جانور کے پاس نہ جانا۔ اگر اس نے تمہاری بھی بے عزتی میری طرح کر دی تو میں اس کا خون کر دوں گا۔ اور خونی بن کر میں اپنی عاقبت خراب کرنے سے بہت ڈرتا ہوں۔"

وہ قطعی فیصلے کے طور پر بولا۔

"تم وہاں اس کے پاس ہرگز نہ جاؤ گے:" وہ نفرت سے بولا۔ "وہ بہت بڑا کمینہ ہے۔ سمجھ لو شکورے بھیا کہ وہ مر گیا ہے۔"

"تم ہماری بیٹی لالی کو ستار بھائی کے بیٹے نے اسلام علی سے بیاہ دو بہن:" نفیسن نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: "اسلام علی پڑھا لکھا ہے۔ نیک اور شریف ہے اور پیسے والے باپ کا بیٹا بھی ہے۔ ہماری بیٹی وہاں خوش رہیگی اور یہ ستار بھائی کی خواہش بھی ہے۔ تم ان کی یہ خواہش اب پوری کر دو۔"

"خیر۔" شکورے بولا۔ "تم لوگ اس معاملہ میں اب کچھ نہ بولو۔ کوئی رنج نہ کرو میں دیکھوں گا۔"

اس نے خود الہ آباد جا کر حالات کو سمجھنے اور پرکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ تمام لوگوں کو نیند آ گئی تھی لیکن لالی کی آنکھوں میں نیند نہیں تھی۔ وہ ابھی تک جاگ رہی تھی۔ اور یہ سوچ رہی تھی۔ کہ اب اسکی آئندہ زندگی کیسے گذرے گی۔

"میرے اللہ ——!"

وہ بڑی بیقراری کی حالت میں اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"یہ آخر ہو کیا گیا ہے انہیں۔ وہ اس سے پہلے تو ایسے کبھی نہیں تھے۔ میرے اللہ! کیا اتنی بھولی بھالی اور شریف صورتیں بھی اتنی بے حیا، اتنی ظالم اور اتنی بیوفا ہو سکتی ہیں۔۔"

اسکی آنکھیں جو کہ روتے روتے تھک چکی تھیں دوبارہ آنسوؤں سے بھر گئیں آنسو اسکی پلکوں پر لرزنے لگے اور وہ اپنا کلیجہ پھر سے مسوسنے پر مجبور ہو گئی۔

اس کے ہونٹ اور سر تو تھرتھرا اٹھے۔ وہ سوچ رہی تھی۔

"اگر وہ راہ راست پر نہ آئے تو کیا ہو گا۔ فرض کرو کہ انہوں نے میرے باپ اور میرے بھائی کی بھی کوئی پرواہ نہ کی تو۔ تو کیا ہو گا۔ میں کسی اور سے اپنی شادی تو زندگی بھر نہ کرونگی۔ یہ تو مجھ سے ہرگز نہ ہو گا۔ کہ خیالوں میں کسی اور کو بسائے رہوں اور دلہن بنوں کسی اور کی بنجاؤں۔ آخر خیالات کا کنوارپن اور اسکی پاکیزگی بھی تو کوئی چیز ہے۔ یہ تو مجھ سے کبھی نہ ہو گا کہ میں کسی کو دھوکہ دوں۔ آخر اس بیچارے کا کیا قصور جو کہ مجھے اپنی شریک زندگی بنائے گا۔ اسے میں اس عذاب میں کیوں مبتلا کر دوں کہ اس کی بیوی کے دل میں کسی اور کا خیال۔ یہ اس نے کسی اور کی پرستش اپنے دل میں کی ہے یہ غم میں سے کیوں دوں۔ میں اپنی اس بیوفائی کا جواب مرنے کے بعد خدا کو کیا دے سکونگی۔۔"

وہ بہت زیادہ الجھ کر رہ گئی۔ اسکا دل لرز رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی۔

"میرے باپ، میری ماں اور میرے بھائی کو کتنا افسوس ہو گا۔ جب وہ یہ سن پائیں گے کہ میں اپنی شادی کرنا نہیں چاہتی۔ مارے رنج کے ان کا حال کیا ہو گا۔"

وہ یکبارگی تڑپ گئی۔ وہ بے اختیار پکار اٹھی۔

"میرے اللہ! کتنا احسان ہو تیرا اگر تو مجھے اس اپنی دنیا سے اٹھا لے۔۔ میں مر

جانا چاہتی ہوں میرے معبود۔"

وہ تکیے سے منہ چھپا کر رونے لگی۔

دیوالی کی رات تھی اور دیوالی کی یہ رات اس قصبہ کے ہندو مسلمان سب ایک ساتھ مل کر خوشی مناتے ہیں۔ سب اپنے اپنے گھروں میں دیپ جلاتے تھے۔ سب کے کھیتوں اور کھلیانوں میں چراغاں ہوتا تھا۔ اور دیوالی کی اس مقدس رات کو یہ پورا قصبہ رات بھر جاگتا تھا۔ روشن روشن چوپالوں میں اجالا ہوتا تھا۔ میدانوں میں گیس کی روشنیوں میں قصبہ کے نوجوان اور بوڑھے مل جل کر کوڑیاں کھیلتے تھے ناچتے اور گاتے تھے۔

گھروں میں عورتیں ڈھولک پر گیت گاتی تھیں۔ کنواریاں آنگن میں آنکھ مچولی کھیلتی تھیں۔ اور ایسا لگتا تھا جیسے کہ قصبہ کی یہ رات دلہن بن کر اس دھرتی پر اتر آئی ہو۔

بہت سی لڑکیاں اسکی ہم عمر سہیلیاں اس کے گھر میں بھی گھس آئی تھیں۔ وہ اسے پوچھتی اور تلاش کرتی پھر رہی تھیں اور وہ اپنی کوٹھری میں اپنے آنسوؤں کے دیپ سجائے بیٹھی تھی۔ اس خوشی کے احساس نے کہ آج دیوالی کی رات ہے اس کے غم کو اور زیادہ ابھار دیا تھا۔

وہ باہر نکلنا نہیں چاہتی تھی۔ کہ اس کی سہیلیاں اس کی کوٹھری میں جا کر بھر گئیں۔

"دیوالی کی رات ہے اور تم اس کوٹھری میں منہ چھپا کے بیٹھی ہو" اس کی بے حد پیاری سہیلی ریکھا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

"چلو نکلو اس کوٹھریا سے۔ ورنہ سمجھ لو ہاں ۔۔۔"

اور وہ لڑکیاں اسے زبردستی کھینچ کر باہر لے آئیں۔

"یہ آخر تجھے ہو کیا گیا ہے۔" ریکھا نے اس سے بڑے پیار سے پوچھا۔

"نصیبہ پھوٹ گیا ہے میرا۔" وہ بیزاری سے بولی یوں سمجھو کہ زندہ درگور ہو گئی ہوں"

نصیبہ پھوٹ گیا ہے:" ریکھا نے حیرت سے سوال کیا۔" کیسے پھوٹا تیرا یہ نصیبہ؟"

"پھر کبھی بتاؤں گی۔" وہ ملال سے بولی: "اتنی بہت سی لڑکیوں کے سامنے تو تو مجھے ننگا کرنے پہ تلی ہوئی ہے۔

"اچھا ہم کل آئیں گی۔" ریکھا بولی: "کل ہم دونوں دل کی باتیں کریں گے۔"

اور اسے ایسا لگا جیسے کہ اسے نجات مل گئی ہو۔ وہ یکبارگی خوش ہو کر بولی۔

"اچھا تو تم لوگ جا رہی ہو نا۔" وہ انتہائی لجاجت سے بولی۔ "میرا جی اچھا نہیں ہے بہنا۔ اس وقت تم لوگ مجھ پر رحم کرو تو احسان ہوگا۔"

"تو کیا دیپوں کا ناچ اس سال نہ ہوگا۔؟"

"اب کی برس مجھے معاف کر دے اے ریکھا۔ اگلے سال اگر جیتی بچی تو رات بھر نچا لینا۔" وہ ہاتھ جوڑنے لگی۔

"میں بہت دکھی ہوں ——"

"لیکن ——"

"لیکن بعض دکھ ایسے ہوتے ہیں۔ بعض غم ایسے ہوتے ہیں جو خوشیوں کے تصور سے ہی بھڑک اٹھتے ہیں۔ اور تم یہ سمجھ لو کہ اس وقت میں اسی قسم کے دکھ کا شکار ہوں۔ مجھے تنہائی چاہئیے۔

"اچھا ——" ریکھا بولی ——" میں ان چڑیلوں کو سمجھا دوں گی۔ تو آرام کر ——"

"سدا سکھی رہو ریکھا:" لالی نے اس کا گال تھپکا: "میں تیرا یہ احسان کبھی

نہ بھولونگی۔"

اور پھر وہ ساری لڑکیاں چڑیوں کے غول کی طرح رہیکھا کے ایک اشارے پر پھر سے کمرے کے وہاں سے اڑ گئیں۔

اور اس نے اپنی کوٹھڑی میں آکر اطمینان کا ایک طویل سانس لیا۔ دیوالی کی یہ حسین رات اس کے غموں کا کوئی علاج نہیں کر سکی تھی۔

اقبال حسین کمشنر نے بڑے زور سے قہقہہ مارا۔

"تم اس کی بات کر رہی ہو نا بیٹی۔ اس لڑکے سراج کی نا جو کہ ہائی سکول کے امتحان میں یو۔ پی میں اوّل آیا ہے۔"

"جی ہاں ڈیڈی۔" سیما بولی۔ "میں اسی سراج کی بات کر رہی ہوں جس کا باپ تحصیل سراتھو کا بہت بڑا جاگیر دار ہے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ وہی جاگیر دار نا جس کا نام امام دین ہے۔"

"جی ڈیڈی۔" سیما بولی۔ "لیکن اس کا نام امام دین نہیں بلکہ امام الدین ہے۔ امام الدین جاگیر دار۔"

سیما نے گویا تصحیح کی۔

"اچھا۔" اقبال حسین کمشنر نے اپنی بیٹی کو اپنی طنز میں ڈوبی ہوئی نگاہوں سے تمسخرانہ دیکھا۔

"تو یہ جاگیردار کا بیٹا ہے۔" اس نے اپنے سامنے میز پر رکھی ہوئی مہمانوں کی لسٹ میں سراج کے نام کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ڈیڈی۔ اور اس کے باپ کے پاس آموں کے چالیس پچاس باغ بھی ہیں"

"ویری گڈ" اقبال حسین کمشنر مسکرایا۔ "تم بڑی بیوقوف لڑکی ہو۔"

"کیوں ڈیڈی۔" وہ حیران ہو کر بولی "میں بیوقوف کیوں ہوں۔؟"

"اس لئے کہ تم جس لڑکے کا ذکر کر رہی ہو وہ ایک ادنیٰ درجے کا کسان کا لڑکا ہے۔ اس کے باپ کا نام امام دین ہے۔ اور وہ قصبہ رنگ پور کا رہنے والا ہے۔"

"جی ——— !"

"جی ———"

"آپ سچ کہہ رہے ہیں ڈیڈی۔؟"

"پگلی ہو گئی ہو کیا۔؟ میں غلط بات کیوں کہوں گا" اقبال حسین کمشنر مسکرایا

"میں اسے اس زمانہ سے جانتا ہوں جبکہ میں تحصیل سراقتو میں تحصیلدار تھا"

"او۔ مائی۔ گوڈ۔" سیما کچھ سوچتے ہوئے بولی "ناؤ۔ آئی۔ سی۔" اسنے اپنے دانت پیسے اسکی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔ اسکی مٹھیاں بھینچ گئیں اور اس کا تنفس تیز ہو گیا۔ اسکی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ اور وہ غصے سے سرخ ہو گئی۔ اسنے اپنے بوب ہیر کٹ بالوں کو زور سے جھٹکا۔

"میں ابھی خبر لیتی ہوں اس فراڈ کی" وہ بڑبڑائی۔ "وہ اسدن والا بوڑھا ضرور اس کا باپ تھا۔ کمینہ۔ بے غیرت۔ باپ کو نوکر بتا رہا تھا۔"

وہ یکبارگی غصے سے بپھر کر کھڑی ہو گئی۔

"تو پھر کیا خیال ہے تمہارا بیٹی۔؟" اسکے ساتھ تمہاری شادی کے دعوتی

کارڈ چھپوا رکھوں۔؟"

اس نے اپنے ڈیڈی کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ وہ بھناتی ہوئی ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

اقبال حسین گنگناتا سا رہ گیا۔

"ناداں لڑکی ۔۔ بیوقوف ۔۔"

"میں نے تمہاری بیٹی لالی کے نام پر ایک لمبی لکیر کھینچ دی ہے چاچا۔" سراج انتہائی بدتمیزی اور بداخلاقی سے بولا۔

"میں اس سے ہرگز اپنا بیاہ نہ کروں گا۔ اس دیہاتی لڑکی سے اب میرا کیا جوڑ چاچا" وہ اور تیز ہوا۔

"اور اب آپ لوگ اس طرح منہ اٹھا کر یہاں نہ چلے آیا کیجئے خدا کے لئے لوگ کیا کہیں گے۔ آخر میری عزت ہے۔ میرا نام ہے۔ میں آپ لوگوں کی وجہ سے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔"

"اچھا۔!" شکور دے کی آنکھیں شعلہ بار ہو گئیں۔ "اتنی چربی چڑھ گئی ہے۔ تمہاری آنکھوں پر۔ اب ہم لوگوں کا سایہ بھی تمہاری آن اور تمہاری عزت پہ بٹہ لگانے لگا ہے۔ تم چار کتاب پڑھ کر اپنے آپ کو لاٹ صاحب سمجھنے لگے ہو۔"

وہ غصہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بہت کمینے ہو تم۔" وہ زور سے گرجا "اپنے باپ کو تم نے دھکے مار کر اور ذلیل کر کے

یہاں سے نکالا ہے۔ اور تم یہ بھول گئے ہو کہ کوا نہ تو مور کے پر لگا کر مور بن سکتا ہے اور نہ گدھا شیر کی کھال اوڑھ کر شیر بن سکتا ہے۔ اور اس رنگے سیار کا حال تو تم نے پڑھا ہی ہوگا۔

وہ نفرت سے بولا

"تم در در کی بھیک مانگو گے اور تمہیں مانگی بھیک نہ ملیگی۔ تم اس شہر کی ہر گلی کے کنارے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گے اور تمہارے حلق میں کوئی پانی ٹپکانے والا بھی نہ ہوگا شہر کے آوارہ کتے تمہارے منہ پر پیشاب کریں گے اور تمہارے منہ پر مکھیاں بھنکیں گی۔ اور تم ان مکھیوں کو اپنے منہ پر سے اڑا بھی نہ سکو گے۔

"اور کچھ۔" سراج انتہائی کمینگی اور ڈھٹائی سے بولا "بس کہہ چکے تم ۔۔۔۔۔۔

"ہاں۔ میں کہہ چکا ۔۔"

"تو سن لو کہ میں اب اپنی روٹی آپ کما سکتا ہوں۔ دو ٹیوشن کر کے میں سو روپیہ ماہوار فی الحال کما رہا ہوں۔ اور تھوڑے دنوں میں، میں شہر کے بہت بڑے آدمی کا داماد بننے والا ہوں۔ مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ اس لڑکی سے شادی کے بعد میں اپنے ماں باپ کو منا لوں گا۔ روپیہ بہت بڑی قوت کا نام ہے چاچا۔ اس وقت آپ لوگ سب کچھ بھول کر مجھے معاف کر دیں گے۔

"اچھا۔" رسول طنزاً مسکرایا "شہر کی ہوا کھا کر اور ایف۔ اے میں پہنچ کر تم بہت زیادہ سمجھدار بن گئے ہو۔ بڑی دور کی سوچنے لگے ہو تم۔ روپیہ کی قدر و قیمت تک تمہاری سمجھ میں آگئی ہے۔ لیکن تم گدھے ہو۔ کمینے اور رذیل ہو تم۔ اور تم یہ بھول گئے ہو کہ گاؤں کے غیور انسان اب بھی اپنی زبان، آن اور اپنی عزت کی خاطر روپیہ پیسہ پر تھوک دیتے ہیں تمہاری ان بیہودگیوں اور بد تمیزیوں پر ہم تمہارے اوپر اسطرح تھوک کر تمہیں بھول جائیں گے جیسے

طرح کہ گندگی اور غلاظت کو اپنے جسموں سے دور کر کے لوگ اُسے بھول جاتے ہیں۔

"بہت بدنصیب ہے تو"۔ شکورے سراج پر نفرت بھری نظر ڈال کر بولا۔

"مجھے تیری اس بدنصیبی پہ تجھ پر ترس آرہا ہے۔"

"تھو ہے تیری اوقات پہ۔"

رسل نے اسی کے سامنے فرش پر تھوک دیا۔ اور وہ دونوں غصّے میں بھرے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان دونوں کو امام دین کی قسمت پر افسوس ہو رہا تھا۔

اور ابھی وہ دونوں وہاں سے گئے ہی تھے کہ سیماں وہاں آگئی۔ اور وہ سیما کو دیکھ کر ابھی ابھی چند منٹ پہلے کی بات بھول کر مسکرا اٹھا۔ وہ سیما کے استقبال کیلئے آگے بڑھا۔

"ارے ارے تم بغیر اطلاع کیوں آگئیں سیما۔ شام کو ہم گزر رہیں مل ہی رہے تھے:"

"تمہارے دیکھنے کو جی بے اختیار مچل جو پڑا تھا۔ بس آگئی۔"

وہ اس کے کمرے میں آکر بڑے اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ سراج نے پوچھا۔

"تو تمہاری سالگرہ پہ میں آرہا ہوں نا تمہارے بنگلہ پہ ___؟"

"مہمانوں کی لسٹ میں تمہارا نام تو میں نے لکھ کر ڈیڈی کو دیدیا تھا۔ اور میں نے ان کے کانوں تک یہ بات بھی پہنچادی تھی کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن ___"

اور وہ لیکن کی اہمیت کو سمجھے بغیر خوشی سے پاگل ہو کر چیخ پڑا۔

"تم سچ مچ پریم کی دیوی ہو سیما۔ تم امرت کا پیالہ ہو میرے لئے۔ تم میرا ہو ___"

"لیکن تم بہت ہی بے ایمان اور کمینے ہو" سیما نے نفرت سے اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم اتنے ذلیل ہو کہ تمہاری صورت پر میرا تھوکنے کو بھی جی نہیں چاہ رہا۔"

اور وہ سیمل کے بہرتیور دیکھ کر کیا ہوئی بوکھلا گیا۔ اس کی خاک سمجھ میں یہ نہ آیا کہ آخر وہ سب کچھ کہہ کیا رہی ہے۔ کہ وہ پھر بولی۔

"تم اس قابل ہو کہ تمہیں شکاری کتوں سے نچوا ڈالا جائے۔"

"میں مطلب نہیں سمجھا تمہارا سیما۔ وہ تقریباً رو پڑا۔ ہر آخر ہو کیا گیا ہے تمہیں؟"

"میں انسان کے بھیس میں تم جیسے شیطان کو دیکھ کر پاگل ہو گئی ہوں" وہ اپنی آنکھوں سے چنگاریاں اڑاتے ہوئے دھاڑی۔

"اپنے باپ کا پتا لوگوں کو بتاتے ہوئے تو، چلو بھر پانی میں ڈوب نہیں مرا کمینے، تیری زبان پر بھی یہ سوچ نہیں کہ فالج کیوں نہیں گر پڑا۔ تو اپنے باپ کو ذلیل کرنے سے پہلے مر کیوں نہیں گیا۔ بجلی کیوں نہیں گر پڑی تیرے اوپر۔ ولدیت بدل دینے والے بے غیرت انسان میرا جی چاہتا ہے۔ کہ میں ان ہنٹروں کے تیری کھال کھینچ ڈالوں۔"

اس نے اپنا ہنٹر ہوا میں لہرایا۔

"بہت بڑے جاگیردار کا بیٹا بنتا تھا کمینہ — اتنا بڑا فراڈ کرتے ہوئے تو نے گدھے کہیں کے یہ بھی نہ سوچا کہ مور کے پر لگا کر کوا مور نہیں بن سکتا۔"

وہ زور سے گرجی!

"بول — ! تو جاگیردار کا بیٹا ہے نا — ؟"

اور وہ گھگھیاتے ہوئے بولا

"یہ سب کچھ میں نے تمہاری محبت کے جنون میں —"

اور وہ زیادہ بپھر گئی۔

محبت کے جنون میں تو نے اپنی ماں کو گالی دی۔ اپنی ولدیت بدل لی تو نے اپنے باپ کو تو نے ذلیل کر کے اور دھکے مار کر اس کمرے سے باہر نکال دیا۔"

وہ دانت پیسنے لگی۔

"کمینے۔ ذلیل۔ بدمعاش —"

وہ اس کے اوپر ہنٹر برساتے ہوئے بولی۔

"اگر تو یہ سب کچھ نہ کرتا تو میں ضرور تجھ سے شادی کر لیتی۔ ایک غریب کسان کے گھر میں پیدا ہونا جرم نہیں ہے میری نظروں میں۔ لیکن تیری ان حرکتوں سے مجھے نفرت ہو گئی ہے تجھ سے۔ اچھا ہوا کہ تیرا صحیح کردار اور تیری اصل فطرت میرے سامنے آ گئی۔ ورنہ میں ضرور دھوکہ کھا جاتی۔ جو اپنے باپ کو اپنا نوکر بنا سکتا ہے۔ اسے اپنی غرض کیلئے اپنی بیوی کو کسی اور کی بیوی بنا دینے میں کتنی دیر لگ سکتی ہے۔"

"لیکن۔ خدا کیلئے — میری سنو تو سہی —"

وہ اس کے ہنٹروں کی تاب نہ لا کر بلبلاتے ہوئے چیخا۔

"میری بات تو سن لو پہلے —"

"میں تیری اب کوئی بات نہیں سن سکتی۔" اس نے اسے چپ ہونے کو کہہ دیا۔

"میں تیری ان حرکتوں کی شکایت اپنے پرنسپل سے کر دوں گی۔ تو اب اس کالج میں نہیں پڑھ سکتا۔"

"لیکن۔"

"مت بکو۔" وہ گلا پھاڑ کر چلائی۔

"خبردار جو اس وقت کے بعد کبھی پھر تو نے مجھے اپنی یہ منحوس صورت دکھائی

ہوں۔"

اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا اور وہ بھنّاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی
اس نے دیکھا۔ اس کے کمرے کے سامنے ایک اچھی خاصی بھیڑ جمع ہے۔
اس نے لپک کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔

شکورے نے بڑی بیزاری کے ساتھ اپنی لاٹھی زمین پر ٹیک دی۔ اور لالی کا دل مارے رنج کے اس کے پہلو میں دور کہیں جا کر ڈوب گیا۔
اس نے سمجھ لیا کہ اس کی امید کا آخری تارا بھی ٹوٹ چکا ہے۔

"کیا ہوا۔۔؟" سلیمن نے اپنے شوہر شکورے سے پوچھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"بہت اچھا ہوا۔" شکورے نفرت اور بیزاری سے بولا۔ "اچھا ہوا کہ اس کمینے لونڈے کی فطرت ہمارے سامنے آئینے کی طرح آ گئی۔ اگر کہیں ہم اس سے اپنی بیٹی بیاہ دیتے تو بہت برا ہوتا۔۔"

"آخر کیا، کیا اس نے؟"

"جس کی مجھے امید نہیں تھی ۔۔ میں اسے اتنا ذلیل، کمینہ اور گرا ہوا نہیں سمجھتا تھا۔۔۔"

وہ منہ لٹکا کر بولا۔

"واقعی۔ امام دین بھائی بہت ہی بدنصیب ہیں کہ ایسا بیٹا ان کے یہاں پیدا ہُوا۔ سانپ بھی اگر ان کے گھر پیدا ہوتا تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا جتنا کہ آج ہُوا ہے۔ وہ تو پورا شیطان ہے شیطان۔۔"

"امام دین چاچا ٹھیک ہی تو کہتے تھے۔ کہ ہم لوگوں کو دلان نہ جانا چاہیئے"

رسول بولا۔،

"وہ تو بالکل ہی بدل گیا ہے۔ جیسے کہ فرشتہ شیطان بن گیا ہو۔"

"پھر۔!"

"پھر کیا۔۔" شکورے بِگڑ گیا۔ عجیب سوال کرتی ہو تم۔ لعنت بھیجو اس کے اوپر۔ اس کا نام لینا بھی گناہ ہے۔ امام دین ٹھیک ہی تو کہتا تھا۔ کہ ہم لوگوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مر چکا ہے۔۔"

اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

"ذرا زینت کو بھیج کر امام دین بھیا اور بھابی کو تو بلواؤ۔۔"

اور پھر وہ لوٹا اٹھا کر منہ ہاتھ دھونے کے لئے باہر چلا گیا۔،

سراج ہاسپٹل میں پڑا اٹھا تھا۔ اس کے جسم پر پڑے ہوئے ہنٹروں کے زخم اب مندمل ہو رہے تھے کہ اسے کالج کی طرف سے نوٹس مل گیا۔

شہر کے معزز اور با وقار شہری کمشنر، قبال حسین کی بیٹی سیما سے بد تمیزی کے ساتھ پیش آنے اور اسے چھیڑنے کے جرم میں اس کا رسٹریکیشن ہو چکا تھا۔ اب وہ کہیں اور کسی جگہ نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس کے شاندار مستقبل پر ایک سیاہ چادر پڑ گئی۔

اور اب دنیا اس کی نظروں میں تاریک تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

اور پھر دوسرے ہی دن اس کا نتیجہ بھی آ گیا۔ وہ انٹرمیڈیٹ میں فیل ہو گیا تھا۔ سیما کے ساتھ عشق کرنے سے پورے سال بھر تک دھیان سے نہ پڑھنے کا یہ اس کا شاندار نتیجہ تھا۔ اس نے سال بھر تک تصور میں بھی صرف سیما ہی سے باتیں ہی کی تھیں اور پڑھا لکھا کچھ بھی نہیں تھا۔ اسی نے۔

اخبار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ اس میں اس کا رول نمبر کہیں نہیں تھا۔ کہ اتنے میں ڈاکٹر نے اس سے آ کر کہا۔

"اب آپ ہاسپٹل سے جا سکتے ہیں۔ آپ اب بالکل تندرست ہیں۔"

چکے ہیں۔ یہ بڈ اب آپ دوسرے مریض کے لئے خالی کر دیجئے۔"

اور جب وہ ہاسپٹل سے باہر آیا۔ تو اس کے کالج کا چپراسی اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"یہ آپ کا سامان ہے۔ دیکھ لیجئے۔ ہوسٹل کا آپ والا کمرہ پرنسپل صاحب نے دوسرے طالب علم کو دیدیا ہے۔"

وہ اپنا سر پکڑ کر اسی جگہ بیٹھ گیا۔ اسے اب کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔

---

ستار جو بمبئی میں بی۔ بی۔ اینڈ سی۔ آئی۔ آر میں انجن ڈرائیور تھا۔ اور جس کے پاس فنڈ کے پچاس ہزار روپے تھے۔ وہ شکورے کا بچپن کا دوست تھا۔ اور اب وہ ریٹائر ہو کر مستقل طور پر رنگ پور آگیا تھا۔ اسکی یہ انتہائی کوشش تھی۔ اور سب سے بڑی خواہش تھی۔ بیر اس کی کہ اس کے بیٹے اسلام علی کی شادی شکورے کی بیٹی لالی سے ہو جائے۔ لالی اسے بچپن سے پسند تھی۔ اور اس سلسلہ میں وہ شکورے سے کئی مرتبہ بات کر چکا تھا۔

اسلام علی نے اس سال بمبئی یونیورسٹی سے بی ایس سی کا امتحان دیا تھا۔

اور وہ گرمیوں کی چھٹیوں میں بمبئی سے اپنے وطن رنگ پور آیا ہوا تھا۔ اس نے لالی کو یہاں آ کر دیکھا تھا۔ اور لالی اسے بہت اچھی لگی تھی۔ اس نے اپنی ماں کلثوم سے بڑے لاڈ سے کہا۔

"ماں۔ اِتم لالی کیسا تھ میرا بیاہ کر دونا۔"

"کیا لالی کوئی کھلونا ہے کہ میں اسے تیرے لئے بازار سے خرید لاؤں۔" اس کی ماں بڑے پیار سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیوں کو پھیرتے ہوئے بولی۔

"کئی دفعہ تو تیرے ابا لالی کے باپ سے بات کر چکے ہیں۔"

اور وہ یکبارگی بڑی بیتابی سے بولا۔

"پھر۔ اکیا ہوا۔؟ کیا کہا لالی کے باپ نے؟!"

"لالی کی بات امام دین کے لڑکے معراج سے پکی ہو چکی ہے۔"

"ہائیں۔!" اس کا منہ لٹک گیا۔ "پھر تو میں یوں سمجھو ماں کہ خودکشی کر کے مر جاؤں گا۔"

"پگلا ہے کیا۔" کلثوم اس کی ماں بولی "تو بچ۔ تیرے دشمن خودکشی کریں۔ لالی میں کہاں کے ایسے لال لگے ہیں کہ اس کے بغیر تیرا گذارہ ہی نہ ہو گا۔"

اس نے اسلام علی کا سر اپنی گود میں بھر لیا۔

"میں وہ اتنی خوبصورت دلہن لاؤں گی تیرے لئے چاند جیسی کہ اسے دیکھ کر اگر تیری آنکھیں نہ چندھیا جائیں تو پھر کہنا۔"

"لیکن مجھے تو لالی چاہیئے۔"

"ارے واہ۔!" کلثوم بولی "اچھا لڑکا ہے تو۔ کیا تیری پسند کیلئے ہم کسی کی

بیہتا بیوی اڑا لیں گے۔

"لیکن لالی کی ابھی شادان کہاں ہوئی ہے ماں۔"

"نہیں ہوئی تو بس اب ہو جائے گی۔ بس ہونے ہی والی ہے۔" اور وہ بسورنے لگا۔ کلثوم بولی۔

"تو تو ہی بات کرے لالی سے ——" وہ مسکرائی۔ آج رات ہمارے گھر زنانہ اور مردانہ میلاد شریف ہے وہ بھی آئے گی۔"

"پیچ ماں ——"

"ہوں۔ ہوں ——"

اور پھر اسی رات جبکہ لالی باورچی خانے میں مہمانوں کے لئے کھیر کے دیگچے میں بڑی سی کفگیر چلا رہی تھی۔ اور اکیلی تھی وہ لپک کر باورچی خانے میں پہنچ گیا۔

وہ اُسے دیکھ کر اپنا بدن چرانے لگی تھی کہ وہ بڑی بیتابی سے بولا۔

"میں تم سے پیار کرتا ہوں لالی۔ قسم اللہ پاک کی اگر تمہارے باپ نے میرا رشتہ منظور نہ کیا تو میرا خون تمہاری گردن پر ہوگا۔ میں تمہارے بغیر اب شاید زندہ نہ رہ سکوں گا لالی۔"

وہ بہت کچھ ایک سانس میں جلدی جلدی کہہ گیا۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ اور لالی کی کفگیر دیگچے میں رُک گئی تھی۔ کھیر میں بہت سی گٹھلیاں پڑ گئی تھیں۔

وہ اپنے جواب کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ دیگچا، کفگیر اور چولہا سب کچھ چھوڑ کر باورچی خانے سے بھاگ گئی۔ اور وہ اسی جگہ چور سا بنا کھڑا رہ گیا۔

"کیوں ــ !" اس کی ماں باورچی خانہ میں آتے ہوئے بولی "کیا کہا لاجی تے!
اور وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"یہ ٹھیکری کی گنٹھیاں وہ چھوڑ کر بھاگ گئی ہیں میرے لئے۔"

"تیرے ساتھ اس کی شادی نہیں ہو سکتی ــ کلثوم بولی، سراج سے اس کی منگنی کب کی طے ہو چکی ہے۔ وہ دونوں بچپن کے ساتھی ہیں۔ کیا پتہ کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے بھی ہوں۔"

کلثوم مسکرائی۔

"یہی شکر کر کہ اس نے یہ کفگیر اٹھا کر نہیں دے ماری تیرے سر پر۔ شریف لڑکی ہے بیچاری ورنہ تیری خیر نہیں تھی۔"

"لیکن ماں ــ"

"چل ہٹ، چپ رہ ــ"

اور وہ جلدی جلدی کھیر گھوٹنے لگی۔

لاجی سر جھکا کے مصالحہ پیس رہی تھی کہ اس کی ماں بولی۔

"ایک بات ہے بیٹی۔ میں تجھ سے جو پوچھتی ہوں وہ صاف صاف بتا۔"

"کیا ماں ــ!"

"اسلام علی بڑا لڑکا نہیں ہے۔ پڑھا لکھا ہے۔ پیسے والے باپ کا بیٹا ہے۔ صورت شکل کا اچھا ہے۔ اور تیرے ساتھ بیاہ کرنے کا خواہشمند بھی ہے۔ ہماری

رائے ہے۔ تیرے ابا بس تیری رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

لالی کا ہاتھ جو سل پر بڑی تیزی کیساتھ چل رہا تھا۔ یکبارگی رک گیا۔ اسکی گردن جوکہ پہلے ہی سے جھکی ہوئی تھی اور وہ زیادہ جھک گئی۔ اس کی ماں سلیمن نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ ساری جان سے کپکپا رہی تھی۔ سلیمن نے حیران ہوکر پوچھا۔

"ہائیں ——! یہ کیا ہوگیا تجھے۔؟"

اس نے اس کا جھکا ہوا سر اوپر اٹھایا۔ وہ زاروقطار رو رہی تھی۔ اس کے آنسوؤں سے اس کا چہرہ اتنی سی دیر میں تر ہوگیا تھا۔

اس کی ماں نے اسے لپٹا لیا۔ اور وہ اپنی ماں کی گود میں اپنا منہ چھپا کر زاروقطار ہچکیوں سے رونے لگی۔

اس نے روتے ہوئے کہا۔

"ماں ——! خدا کے لئے تم لوگ مجھ پر رحم کرو۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ سمجھ لینا کہ تم نے کوئی نوکرانی رکھ لی ہے۔ میں دن رات کام کروں گی۔ صرف کھانے کیلئے روٹی دے دینا اور بس۔ میں اور کچھ نہ مانگوں گی۔"

سلیمن وہاں سے سیدھی اپنے شوہر تکورے کے پاس آئی وہ آتے ہی بولی "اگر تم شادی کی رٹ لگاؤ گے تو سمجھ لو کہ تمہاری بیٹی رو رو کر اپنی جان دے دے گی۔ وہ کسی اور کے ساتھ ہرگز شادی پر راضی نہیں ہے۔ یہ سمجھ لو خوب اچھی طرح۔"

"اچھا" تکورے بجھے دل کے ساتھ بولا۔ پھر کیا ہوگا۔

اس کے جگر سے ایک ہوک اٹھی اور سلیمن نے کہا۔

"وہ سراج کے سوا کسی سے اپنا بیاہ نہ کریگی"! شکورے نے دانت پیسے

"لیکن وہ تو بد معاش چکا ہے میرا کمینہ زمانے بھر کا۔"

"کچھ دن اور دیکھو۔ شاید وہ راہ راست پر آجائے۔"

"وہ کیا سدھرے گا اب بدمعاش۔"

"نہیں ۔۔" رسول بولا، "ابھی اسے ٹھوکر نہیں لگی ابا۔ جب ٹھوکر لگے گی تو اُسے ہوش آجائے گا۔ دنیا کو ابھی اُس نے ٹھیک طریقہ سے سمجھا نہیں ہے۔ کسی امیر کبیر لڑکی سے اُس کی شادی وادی نہیں ہو سکتی۔ یہ سب بکواس ہے۔ کوئی لڑکی اسے بے وقوف بنا رہی ہو گی اور بس ۔۔۔"

اس نے اپنے باپ کو بتایا۔

"وہ اس سال ایف۔ اے میں کامیاب نہیں ہوا۔ بس اب اس کی عقل ٹھکانے پر آجائے گی۔"

"تمہیں کیسے معلوم ہوا وہ فیل ہو گیا ہے"؟ اس کے باپ نے پوچھا

"اس نے اپنا رول نمبر مجھے بتایا تھا۔"

"تو کیا نتیجہ اخبار میں چھپ گیا؟"

"ایک ہفتہ سے زیادہ ہوا۔ میں نے اخبار میں دیکھا تھا۔ لیڈر قصبہ میں کئی جگہ آتا ہے۔"

"اچھا۔" شکورے نے تعجب ظاہر کیا۔ "لیکن وہ فیل کیسے ہو گیا"

"محنت نہ ہو گی اور۔"

لیکن وہ ہے کہاں ؟"

"وہیں ہوگا کالج کے ہوسٹل میں۔

اور یہاں ابھی یہ باتیں ہو رہی تھی کہ امام دین آگیا اور نصیبن آگئی۔

امام دین نے رسول کی طرف وہ خط بڑھا دئیے۔

"ذرا پڑھنا تو بیٹا کیا لکھا ہے اس میں۔"

رسول نے دونوں خط لے لیے۔ ایک خط کالج کے پرنسپل کی طرف سے تھا اور دوسرا خط سراج کے کسی دوست کا تھا۔ پرنسپل کے خط میں یہ اطلاع تھی۔ کہ سراج کا ایک کالج کی لڑکی کے چھیڑ چھاڑ کے جرم میں رسٹریکیشن کر دیا گیا ہے اور اسے کالج اور ہوسٹل سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال دیا گیا ہے۔ دوسرے خط جو کہ اس دوست کی طرف سے تھا پوری تفصیل لکھی ہوئی تھی۔ کہ کس طرح سراج کمشنر اقبال حسین کی بیٹی سیما سے عشق کرتا تھا۔ اور کس طرح اس نے اسے ہوسٹل میں آکر ہنٹروں سے مارا تھا۔ کس طرح وہ ہاسپٹل گیا۔ اور پھر وہ نہ جانے کہاں چلا گیا۔ یہ کسی کو نہیں وغیرہ وغیرہ

پوری تفصیل تھی۔ اور یہ دونوں خط پڑھ کر وہ سب کے سب بہت زیادہ پریشان ہوگئے۔ رسول بولا۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔ رسٹریکشن کے معنی تو یہ ہیں کہ اب وہ کہیں نہیں پڑھ سکتا۔"

"پڑھنا ورڑھنا تو گیا بھاڑ میں" سلیمن بولی " وہ پڑھے چاہے اب نہ پڑھے لیکن وہ گیا کہاں۔

"جہنم میں" امام دین دانت پیس کر بولا۔ "اگر مر گیا ہو تو اور اچھا ہے"

"نہیں نہیں"۔ شکورے بولا۔ "تمہیں ایسا سوچنا بھی نہ چاہیئے دوست اولاد پھر اولاد ہوتی ہے۔"

وہ بہت پریشان ہو کر بولا۔

"بچہ ہے ابھی غلطی ہو گئی اس سے۔ بچے غلطیاں تو کرتے ہی رہتے ہیں یہ بڑوں کا کام ہے کہ انہیں معاف کر دیا کریں۔ یہ ناتجربہ کاری تھی اُس کی کہ اُس نے ہم لوگوں سے بدتمیزی کا سلوک کیا۔ اگر سمجھدار ہوتا تو اس سے ایسی حرکت کبھی نہ ہوتی۔"

شکورے نے امام دین کو سمجھایا۔ اور پھر وہ بڑی بے چینی سے بولا۔

"جلدی کرو بھیا۔ اٹھو۔ ہم اپنے بیٹے کے لئے سارا جگ چھان ماریں گے۔"

"سلیمن روتے لگی۔

وہ نہ جانے کہاں ہو گا۔ خدا نہ کرے کہیں اس نے گھبرا کر اپنی جان ــ"

اس سے آگے وہ نہ کہہ سکی اس نے دوپٹہ اپنے منہ میں ٹھونس لیا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے برابر بہہ رہے تھے۔ اور نصیبن ان سب کا منہ اس انداز سے تک رہی تھی کہ جیسے کہ اسے سکتہ ہو گیا ہو۔

لالی اپنی کوٹھڑی میں ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہی تھی۔

"اے میرے اللہ۔ تو بڑا رحیم و کریم ہے۔ وہ جہاں بھی ہو خیریت سے ہو زندہ ہو اور تندرست ہو۔

"وہ رونے لگی۔"

"اے پاک بے نیاز۔ اپنے حبیب پاک کے صدقہ میں تو اسے یہاں

جلد لے آئے۔ وہ ہم لوگوں کو ملتا ہے۔

اس نے دل سے دعا کی۔

"خدایا ——— تو بچا لے اسے۔ میں دو روزے رکھوں گی۔ دس فقیر کھلاؤں گی اور بیس رکعت نماز شکرانے کی پڑھوں گی۔

اور پھر اسی وقت امام دین اور شکورے موٹر لاری کے ذریعے الہ آباد کے لئے روانہ ہو گئے۔

الہ آباد میں سراج کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ وہ جہاں جہاں ممکن ہو سکتا تھا گئے۔ لیکن ہر جگہ انہیں ناکامی ہوئی اور وہ دونوں اس کی طرف سے بہت زیادہ پریشان ہو گئے۔

کالج کے چپراسی سے انہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا۔ کہ وہ اپنا سامان اس کے پاس رکھوا گیا ہے۔ چپراسی نے ان لوگوں سے کہا۔

"سراج صاحب زیادہ اداس ہو گئے تھے اور پریشان تھے انہوں نے بڑی لجاجت سے مجھ سے کہا تھا۔ کہ میں ان کا یہ سامان اپنے پاس رکھ لوں۔ اور پھر وہ ہسپتال سے نکل کر سیدھے اسٹیشن کی طرف ہو لئے تھے۔

چپراسی نے کہا۔

"ان کا سامان میرے پاس بطور امانت رکھا ہے۔ آپ لوگ اسے لیجائیے۔

"تم اس لڑکی کا پتہ بتا سکتے بھیا جو اس کے پاس آئی تھی۔" امام دین نے پوچھا اور چپراسی نے اسے بتا دیا۔

"وہ تم لوگوں کو یونیورسٹی میں ملیں گی۔ اقبال حسین صاحب کمشنر کی وہ بیٹی ہے اس سال ایف اے کے بعد انھوں نے یونیورسٹی میں بی اے میں داخلہ لیا ہے ان کا نام سیما اقبال ہے۔"

"ان کے گھر کا پتہ کیا ہے؟" شکورے نے پوچھا۔

"کمشنر صاحب کی کوٹھی سول لائنز میں ہے۔ چوبیس اے نمبر ہے، کوئی بھی رکشہ والا تم لوگوں وہاں پہنچا دے گا۔ لیکن آپ لوگ یونیورسٹی جائیے۔ وہ اس وقت وہیں ہوں گی۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ بھائی۔"

وہ دونوں رکشے میں بیٹھ کر اور اس کا سامان رکھ کر یونیورسٹی روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر سیما مل گئی۔ وہ باہر کھڑے انتظار کر رہے تھے کہ وہ آ گئی اور اس نے آتے ہی امام دین کو پہچان لیا وہ بڑے اخلاق سے بولی۔

"فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔"

"بیٹی ——!" امام دین گھگھیاتے ہوئے بولا۔ "میں اپنے بیٹے کے بارے میں تم سے کچھ پوچھنے آیا ہوں۔"

"آپ کا بیٹا ہو سکتا کہ اپنے دوست اشفاق ملک صاحب کے پاس کانپور گیا ہو۔ اشفاق ملک صاحب ہم لوگوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ ان دونوں کی بڑی گہری دوستی تھی۔ اس سال اشفاق ملک صاحب نے وہیں کانپور ہی

میں رہ کر پڑھنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"ان کا پتہ کیا ہے۔ شکورے یکبارگی بول پڑا۔ اور وہ شکورے کی اس بے تابی سے بہت زیادہ متاثر ہوئی۔ بولی۔

"اشفاق صاحب کمال خان کے احاطہ میں نواب زادہ جاوید قمری صاحب کے مکان کے پاس رہتے تھے۔ بس آپ قمری صاحب کا نام یاد رکھئے گا۔ ان سے اشفاق صاحب کا پتہ آپ کو مل جائے گا۔

اور پھر اس نے امام دین کو کہا۔

" مجھے اس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا کہ آپ کا بیٹا کیوں ہے۔ لیکن اس وقت میں غصہ سے پاگل ہو گئی۔ جبکہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو آپ کا بیٹا نہ بتا کر کسی بہت بڑے جاگیردار کا بیٹا بتا رہا ہے۔ اس نے مجھ سے بہت بڑا جھوٹ بولا۔ مجھ سے اس نے کہا کہ آپ اس کے گھر کے منہ لگے نوکر ہیں اور اسی لئے جب مجھے صحیح بات معلوم ہوئی تو میں اپنے غصہ پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہ کالج سے نکال دیا گیا۔ اس کا مجھے افسوس ہے۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں کوشش کر کے پرنسپل صاحب کے اس فیصلے کو بدلوا دوں گی۔

اور پھر وہ شکورے کی طرف مخاطب ہوئی۔

" آپ غالباً لالی کے والد ہیں۔"

"ہاں بیٹی ۔۔۔ " شکورے بولا۔ میں اسی بدنصیب لالی کا باپ ہوں جو کہ سراج کی منگیتر ہے۔ اور جو سوا اس کے کسی اور سے اپنا بیاہ نہیں کرنا چاہتی ۔۔۔ وہ دونوں بچپن کے ساتھی ہیں۔

"اس کی شادی لالی ہی سے ہوگی" وہ مسکرائی "آپ اس شادی کی اطلاع مجھے بھجوا دیجیے گا۔ میں اس شادی پر ضرور آؤنگی۔

"یہ ذرہ نوازی ہے آپ کی بیٹی — یہ آپ کی شرافت ہے" وہ دونوں ایک ساتھ بول پڑے۔

"پہلے خدا کرے کہ وہ ہمارا بھٹکا ہوا بیٹا ہمیں مل تو جائے۔"

"وہ آپ کو کانپور میں ضرور مل جائینگے" سیما نے بڑے یقین کیساتھ کہا۔

"آپ وہیں جائیے۔"

وہ دونوں سیما سے رخصت ہوکر کانپور کے لیئے روانہ ہو گئے۔

کانپور میں وہ ان لوگوں کو ہسپتال میں بیہوشی کے عالم میں ملا۔ اس نے ایک زہریلا سفوف پھانک کر خودکشی کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ بچا لیا گیا تھا۔ اشفاق وقت پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے اسے ہاسپٹل پہنچا دیا تھا۔ اور ہاسپٹل میں اس نے یہ بیان دیا تھا کہ رات کے وقت بیماری کی حالت میں غلطی سے وہ یہ سفوف پھانک گیا تھا۔ اور اسی لیئے یہ کیس پولیس کیس نہ بن پایا تھا۔ ورنہ خودکشی کی کوشش کے جرم میں اسے ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔

ڈاکٹروں نے اسے بچا لیا تھا، اور اب وہ خطرہ سے باہر تھا۔ ڈاکٹر نے ان لوگوں کو بتایا۔

"آدھ گھنٹے کے بعد یہ ہوش میں آجائیں گے۔ اور پھر آپ لوگوں کے ساتھ یہ گھر جاسکیں گے"۔

"اور وہ دونوں اس کی سلامتی اور صحت کے لئے آنسوؤں کی تسبیح پر دعا پڑھنے لگے۔

سراج کو جیسے ہی ہوش آیا تو اس نے اپنے سامنے اپنے باپ اور اپنے شکورے چاچا کو دیکھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ وہ بے اختیار آنسو بہاتے ہوئے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھے معاف کردیجئے ابا۔ مجھے معاف کردیجئے۔

وہ بڑی مضبوطی سے اپنے باپ کے پاؤں پکڑے ہوئے تھے۔ اور جنون کی حالت میں اپنا سر اس کے قدموں پر پٹک رہا تھا۔ بڑی مشکل سے شکورے، امام دین اور اشفاق نے اسے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ امام دین نے اسے اپنے کلیجے سے بھینچ لیا۔ وہ روتے ہوئے بولا۔

"بیٹا۔۔۔ غلطیاں ہی تو انسانوں کو تجربہ سکھاتی ہیں" اس نے اسے تسلّی دی "ہم لوگ تمہیں معاف کرچکے ہیں"۔

اور اب وہ شکورے سے لپٹا ہوا تھا۔ شکورے نے اسے تسلّی دی "پچھلی باتیں بھول جاؤ بیٹے۔ سب کچھ بھول جاؤ۔ اور ہمارے ساتھ گھر چلو۔

اور وہ لوگ اسے اپنے ساتھ لے کر واپس آگئے۔

لالی دلہن بنی اسرخ پیرہن پہنی اپنا سر جھکائے بیٹھی تھی۔ بیما نے بڑے پیار سے اس کا سر اوپر اٹھایا۔

"ماشاء اللہ۔" وہ بے اختیار بولی۔ "اتنی خوبصورت ہو تم۔ تمہیں تو دیکھ کر چاند بھی شرما جائے۔"

اس نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے سراج سے کہا۔

"کتنے خوش نصیب ہو تم اسے پا کر اور کتنے بدنصیب ہوتے تم اگر تم اسے نہ پا سکتے۔ یہ تمہاری بیوی تو حور ہے۔ بہشت کی۔ جو تمہیں اسی دنیا میں مل گئی ہے۔ بڑے بدنصیب تھے تم جو اپنی اس "مضراب الفت" کو چھوڑ کر تم ادھر ادھر بھٹک رہے تھے۔" اور پھر اس نے دلہن بنی ہوئی لالی کے ہاتھوں میں جگ جگ کرتے ہوئے کنگن پہناتے ہوئے کہا

"یہ میری منہ دکھائی ہے۔"

اور پھر اس نے سراج کی طرف ایک لفافہ بڑھایا۔

"یہ میری طرف سے تمہاری شادی کا ایک انوکھا تحفہ ہے۔ تمہارا رسٹی کیشن واپس لے لیا گیا ہے۔ اب تم دوبارہ داخلہ لے سکتے ہو۔" وہ مسکرائی۔

"اب بہت دن یہاں نہ لگانا۔ جلدی سے الہ آباد آکر اپنی پڑھائی شروع کر دو۔ اب پھر سے تم نے اپنا ہر امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کرنا ہے۔"

اس نے سراج سے کہا۔

"وعدہ کرو تم پھر سے پہلے کی طرح پرسال اول آؤگے۔"

"میں اسی سال بی اے کا پرائیویٹ امتحان دوں گا۔" سراج بڑے عزم کے ساتھ بولا۔ "اور وعدہ کرتا ہوں۔ کہ میں پھر سے پورے صوبہ میں اوّل آؤں گا۔"

"وری گڈ — وِکے۔"

سیما نے اس کی پیٹھ پر بڑے زور کا ہاتھ مارا۔

"شاباش —"

اور پھر اس نے لالی کے کان میں چپکے سے کہا۔

"تم بھی اب اپنے اس بُدھو کو معاف کر دینا۔ یہ بُرا بُرے قسم کا آدمی بالکل نہیں ہے۔ بس اب ذرا پھسل گیا تھا۔ کہ اسے میں نے سنبھال لیا اور اب بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔"

اور پھر وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔ اسے اسی وقت اپنی کار سے الہ آباد واپس جانا تھا۔ اور وہ اس کے بعد ایک منٹ ضائع کئے بغیر الہ آباد کے لئے روانہ ہو گئی۔

اس کی کار دھول کے بادل اڑاتی ہوئی بڑی تیزی کے ساتھ آگے نکل گئی۔ اور وہ سب کے سب اس کی بڑائی کا اعتراف کرتے ہوئے، مسکراتے اور دلوں میں مسرتوں کا بے پایاں سمندر لئے ہوئے وہاں سے واپس آ گئے۔

رات کے تقریباً ڈیڑھ بجے جب سراج اپنی دلہن کے کمرے میں گیا، تو اس نے دیکھا کہ وہ مصلے پر کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ وہ نماز پڑھتی رہی۔ اور وہ اسے بڑے غور سے دیکھتا رہا۔

اور جب اس نے سلام پھیر کر دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھائے۔ تو وہ بے ساختہ بول پڑا۔

"یہ کیسی نماز ہے حضور۔"

اور وہ سلام پھیر کر بڑی آہستگی سے بولی۔

"نفلیں تھیں شکرانے کی۔ اللہ پاک سے کیا ہوا اپنا وعدہ میں پورا کر رہی تھی۔ آپ ساتھ خیریت کے واپس جو آ گئے ہیں۔"

اور اس نے آگے بڑھ کر لالی کی پیشانی چوم لی۔ شرم سے لالی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کی گردن شرم سے نیچے جھک گئی۔ جیسے کہ وہ پھر سے اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریز ہو گئی ہو۔

خوشی کے پاکیزہ آنسو اس کی آنکھوں سے گر گر کر اس کے سرخ عروسی جوڑے میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔

ختم شد

# ہمارے غازی ہمارے شہید

**ابوبکر صدیق اکبر**
مصنف محمد حسین ہیکل ،
مترجم محمد احمد پانی پتی
بڑا سائز ، میری لائبریری 6.00
سفید کاغذ مجلد 10.00

**عمر فاروق اعظم**
مصنف محمد حسین ہیکل ،
مترجم ، حبیب اشعر
بڑا سائز ، میری لائبریری 12.00
سفید کاغذ مجلد 20.00

**دس بڑے مسلمان**
مصنف محمد اسماعیل پانی پتی
میری لائبریری 4.00
مجلد ایڈیشن 8.00

**ابوذر غفاری**
مصنف عبدالحمید جودۃ السحار
مترجم ، عبدالصمد صارم
قیمت 2.00 مجلد 3.00

**امیر معاویہ**
مصنف انیس زکریا
مترجم ، عبدالصمد صارم
قیمت 1.25 مجلد 2.25

**سلطان محمد فاتح**
محمد مصطفےٰ صفوت
مترجم ، عبدالصمد صارم
قیمت 1.50 مجلد 2.50

**شیخ عبدالقادر جیلانی**
غلام حیدر سہیل
قیمت 1.50 مجلد 3.50

**خالد سیف اللہ**
مصنف ، ابوزید شلبی
مترجم ، محمد احمد پانی پتی
میری لائبریری 2.50
مجلد ایڈیشن 6.00

**الحسین**
مصنف ، عمر ابوالنصر
مترجم ، محمد احمد پانی پتی
میری لائبریری 1.50
مجلد سفید کاغذ 3.00

**الزہرا**
مصنف ، عمرابوالنصر
مترجم ، محمد احمد پانی پتی
میری لائبریری 1.25
مجلد ایڈیشن 3.00

**امام زین العابدین**
مصنف ، عبدالعزیز سیدالاہل
مترجم ، عبدالصمد صارم
قیمت ، 1.25 مجلد 2.50

**عمر بن عبدالعزیز**
احمد زکی صفوت
مترجم ، عبدالصمد صارم
قیمت ، 1.25 مجلد 2.25

**ایک مفسر قرآن**
چودھری محمد یوسف
قیمت ، 1.75 مجلد 00

**رابعہ بصری**
مصنف ، وداد السکاکینی
مترجم ، عبدالصمد صارم
قیمت ، 1.50 مجلد .50

سب اچھے دکانداروں سے مل سکتی ہیں

**مکتبہ میری لائبریری ، لاہور ــ ۲**